ایک علمی تحریک کا دینی، علمی، فکری، ادبی اور اصلاحی ترجمان

ندائے اعتدال

دسمبر ۲۰۱۵ء

ایڈیٹر

ڈاکٹر محمد طارق ایوبی ندوی

فہرست مضامین

۱۔	قرآن کا پیغام	اہل ایمان میں فواحش ومنکرات کا رواج	مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ	
۲۔	اداریہ	فکری زاویے	مدیر	۳
۳۔	پیام سیرت	ایک صحابی رسول کی آخری وصیت	محمد فرید حبیب ندوی	۱۴
۴۔	خصائص وامتیازات	امت محمدیہ، خصوصیات وامتیازات (قسط-۵)	محمد قمر الزماں ندوی	۱۶
۵۔	اسلامی تعلیمات	قانون میراث	حافظ کلیم اللہ عمری	۱۹
۶۔	نقد ونظر	حدیث اور محدثین کی بابت راشد شاز کا نظریہ	احمد الیاس نعمانی ندوی	۲۳
۷۔	// //	راشد شاز اور واقعہ معراج	محمد غزالی ندوی	۲۷
۸۔	آزادیٔ نسواں	غلامی سے نکل کر قید آزادی میں عورت ہے۔	ڈاکٹر سلیم خاں	۳۹
۹۔	نبض شناس	نئی حکمت عملی اختیار کرنے کی ضرورت	پروفیسر محسن عثمانی	۴۳
۱۰۔	تجزیہ	اسلامی اور غیر اسلامی تنظیموں کی غلطیاں.....	ڈاکٹر ایم۔اے۔سلومی	۴۷
۱۱۔	عالم اسلام	اردوغان کی کچھ حماقتیں	ترجمہ: محمد فرید حبیب ندوی	۵۷
۱۲۔	// //	ترکی میں ناکام فوجی بغاوت	محمد نفیس خاں ندوی	۵۹
۱۳۔	// //	ترکی بغاوت کا اصل محرک	صاحبزادہ ضیاء ناصر	۶۱
۱۴۔	// //	اذانوں نے بغاوت ناکام کردی	ترجمہ: محمد عالم مرادآبادی	۶۶
۱۵۔	دعوت احتساب	نئے تعلیمی سال کے آغاز پر اہل مدارس.....	مفتی تنظیم عالم قاسمی	۷۱
۱۶۔	سوانح	حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ	مفتی رحمت اللہ نیپالی ندوی	۷۵
۱۷۔		الوداعی خطاب	ڈاکٹر محمد طارق ایوبی ندوی	۸۳
۱۸۔	تعارف و تبصرہ		ڈاکٹر محمد طارق ایوبی ندوی	۹۰
۱۹۔	آخری صفحہ	ترے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزول کتاب	م۔ق۔ن۔	۹۵
۲۰۔	غزل		کلیم عاجز	

❋❋❋

نوٹ: مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔عدالتی چارہ جوئی علی گڑھ کی ہی عدالت میں ہوسکتی ہے۔

اداریہ

فکری زاویے

نوٹ: قارئین سے بے پناہ معذرت کے ساتھ انتہائی تاخیر کے ساتھ جولائی/اگست کا یہ مشترک شمارہ ان کی خدمت میں پیش کیا جارہا ہے، ہمیشہ یہ ہوا کہ اگر کسی وجہ سے مشترک شمارے کی نوبت آئی تو دوسرے ماہ کی پہلی تاریخ کو شمارہ حسب معمول منظر عام پر آگیا، لیکن اس مرتبہ تاخیر ایک نہیں دو ماہ کی ہوگئی، یقیناً اس تاخیر کا کوئی اہم سبب رہا ہوگا، ہمیں امید ہے کہ قارئین یہی سوچ کر معذرت قبول فرمائیں گے، ہمیں افسوس ہے کہ ندائے اعتدال کی عمر میں ایسا پہلی مرتبہ ہوا، ہم دعا گو ہیں اور قارئین سے بھی دعا کی درخواست ہے کہ خدا کرے آئندہ کبھی ایسا نہ ہو۔ (ادارہ)

تم ہو ایک زندۂ جاوید روایت کے چراغ:

۱۵ر جولائی کی شام ترکی کے لئے ایک خوفناک و بھیانک شام بن کر آئی تھی، وہ ترکی جو تقریباً ۷۰ سال کفر والحاد کی زد میں رہا، جس پر یورپ نے اپنی پالیسیاں تھوپیں، فوجی ڈکٹیٹرس کو وقتاً فوقتاً مسلط کرنے کے لئے سازشوں کے جال بنے، عدنان مندریس اور ان کے ساتھیوں کی کوششوں سے ترکی میں نشاۃ ثانیہ کا دور شروع ہوا، ان جیالوں کو تو ظالموں نے تختۂ دار پر چڑھا دیا لیکن جو تحریک چل پڑی تھی اسے روکنا ممکن نہیں رہا، آگے چل کر ترکی کی کوکھ سے پروفیسر نجم الدین اربکان کی مؤثر، طاقتور اور معلم و افراد ساز شخصیت نے جنم لیا، انہوں نے نوجوانوں کی ذہنی و فکری تربیت شروع کی، بیرون ملک اپنے بہترین و باعزت ذریعہ معاش کو ٹھوکر ماری، لیکن ان پر پابندیاں لگائی گئیں، انہیں پابند سلاسل کیا گیا، پھر بھی انہوں نے کارآمد نوجوانوں کی ایک کھیپ تیار کر دی، انہیں کے لائق و فائق شاگردوں میں ایک نام موجودہ صدر ترکی رجب طیب اردوغان کا ہے، جن کی فہم و فراست اور جن کے کارہائے نمایاں متعدد بار زینت قلم و قرطاس بن چکے ہیں۔

اردوغان کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے ترکی کو اس پوزیشن میں لا کھڑا کیا کہ اب وہ ''اجباری کفر'' کے مرحلہ سے نکل کر ''اختیاری کفر'' کا مرحلہ طے کر رہا ہے، دنیا جانتی ہے کہ اردوغان نے اربکان سے اختلاف کر کے اپنی ایک الگ جماعت بنائی تھی اور اربکان کی روش سے ہٹ کر اپنے کو ایک سیکولر لیڈر کے طور پر تسلیم کرایا تھا، یہ ان کی وہ دانائی تھی جس کو "الحرب خدعة" کی روشنی میں حکمت و فراست سے تعبیر کیا جاسکتا ہے، کیوں کہ جنگ کسی ایک محاذ پر نہیں تھی بلکہ زندگی کا ہر اہم و غیر اہم شعبہ جنگ زدہ تھا، کفر والحاد نے اپنے پنجے گاڑ لیے تھے، لہذا ضروری تھا کہ براہ راست ٹکراؤ کی پالیسی سے گریز کیا جائے، اردوغان نے یہی پالیسی اپنائی اور آج وہ ترکی کو اس مقام پر اسی فراست سے لائے ہیں کہ وہاں اسلام پسندوں کی تعداد بڑھنے لگی ہے، مسجدیں اسلام پسندی کا ثبوت دینے لگی ہیں، خارجہ پالیسیاں انما المؤمنون اخوة اور انصر اخاك ظالما أو مظلوما کی یاد دلانے لگی ہیں، فوج کی طرف سے مسلط کی گئی باغی حکومتوں نے پہلے ترکی میں اذانوں پر پابندی عائد کی مگر اس مرتبہ اذانوں نے فوجی بغاوت کو ناکام کیا۔

یہ وہ وقت ہے جب معاشی استحکام حاصل کرنے کے بعد ترکی کو ''مسلم ریاست'' سے ''اسلامی ریاست'' بنانے کا اعلان

اسپیکر کی طرف سے کیا گیا اور اردوغان صاحب نے بھی صاف الفاظ میں اعلان کر دیا کہ وہ درحقیقت پروفیسر نجم الدین اربکان کے شاگرد ہیں، ان ہی کے افکار کو انہوں نے سینہ سے لگا رکھا ہے، یہ الگ بات کی دونوں کے طریقہ کار میں اختلاف رہا ہے، اردوغان کا یہ بھی کارنامہ قابل ذکر ہے کہ اب وہ صدر و وزیر اعظم کے مقام و مرتبہ کو پیچھے چھوڑ کر ''قائد ملت'' اور ''مقبول عام'' کے مقام پر فائز ہو چکے ہیں، قبول عام حاصل ہونے کے متعدد اسباب ہیں، اصل سبب کا ذکر بعد میں پہلے ذرا یہ رخ دیکھیے، ایک عرب دانشور نے اپنے ٹوئٹر اکاؤنٹ پر لکھا کہ میں صدارتی انتخابات کے دوران استانبول میں تھا، میں نے ہوٹل میں استقبالیہ پر تعینات خاتون سے سوال کیا کہ ووٹ کس کو دوگی، اس نے کہا میں اردوغان سے نفرت کرتی ہوں کیوں کہ میں سیکولرزم کی حامی ہوں اور اس نے اسکولوں میں حجاب نافذ کر دیا ہے، لیکن ووٹ اسی کو دوں گی، اس لیے کہ سیکولرزم کے علمبرداروں نے قوم سے ٹیکس تو وصول کیا لیکن قوم کو کچھ نہیں دیا جبکہ اردوغان حکومت نے ان ٹکسز کے ذریعہ ملک کو بے مثال ترقی عطا کی ہے، پہلے میں سفر کی دقت اور بعد مسافت کے سبب اپنی ماں سے مہینہ میں ایک مرتبہ مل پاتی تھی لیکن اردوغان کے تعمیری کارناموں کے سبب راستہ اتنا مختصر و تیز گام اور سفر پر امن اور آسان ہو گیا ہے کہ اب ہفتہ میں ایک بار مل لیتی ہوں، تیسری وجہ یہ ہے کہ سیکولرزم کے نمائندوں کی آواز پر چند ہزار لوگ ہی جمع ہوتے ہیں جبکہ اردوغان کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے لاکھوں افراد جمع ہو جاتے ہیں۔ ایسا کیوں نہ ہو کہ انہوں نے ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء کی ہدایت پر عمل کیا ہے، تفصیلات سے قطع نظر اس وقت وہ مظلوموں کا سہارا اور ملت کی امیدوں کا مرجع بن گئے ہیں، فوجی بغاوت کی صبح جب لوگ اپنی اپنی حیثیت کے مطابق تبصرے کر رہے تھے تو علامہ یوسف القرضاوی اور ہندوستان میں ڈاکٹر رضی الاسلام ندوی نے کیا خوبصورت و زبردست تبصرہ کیا تھا جس میں اردوغان کو خراج عقیدت بھی تھا اور حقائق کا اعتراف بھی، ان حضرات نے اس موقع پر ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ان الفاظ کا سہارا لیا جو انہوں نے اپنے شوہر نامدار سرور کائنات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نزول وحی کے بعد وحی کے بوجھ سے غیر ہوتی ہوئی حالت میں تسلی کے لئے ارشاد فرمائے تھے، اردوغان نے گزشتہ سالوں میں ہر ملی مسئلہ کو اپنا مسئلہ سمجھ کے سب سے طاقتور آواز بلند کی ہے، مدد تو سب کرتے ہیں مگر اردوغان نے مظلوموں کی مخلصانہ مدد کی ہے، شامی بچوں کے آنسو پونچھے ہیں، ۳۰/لاکھ بے گھر شامیوں کا سہارا بنے ہیں، غزہ کے معصوموں کے ہاتھوں میں کھلونے پہنچائے ہیں، ان کی دوا و غذا کے لیے اپنے سکون پر شب خون مارنے کا انتظام کیا ہے، برمی مسلمانوں کے زخموں پر مرہم رکھنے کی کوشش کی ہے، پوری دنیا کی حیرت انگیز مگر متوقع خاموشی بلکہ خاموش تائید کے باوجود مصر کی غاصبانہ حکومت کی سخت ترین تنقید کی ہے اور اپنے اس جرأت مندانہ موقف پر تا وقت قائم ہیں، یہی نہیں بلکہ ہر موقع پر وہ سینہ سپر نظر آتے ہیں، انہوں نے اپنے ملک کو اس وقت اسلامی تحریکات کا مرکز بنا دیا ہے۔

اسی لیے قرضاوی صاحب اور رضی الاسلام صاحب نے اگر یہ تبصرہ کیا تو بجا کیا کہ اے اردوغان اللہ آپ کو ہر گز رسوا نہ کرے گا کہ آپ حق بولتے ہیں اور حق کی تائید کرتے ہیں، آپ ناداروں کا سہارا ہیں، مظلوموں کے مددگار ہیں، بے سہاروں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، مہمان نوازی میں پیش پیش رہتے ہیں اور نیک کاموں میں مالی تعاون کرتے ہیں، اردوغان کے لیے اگر یہ کہا جائے تو بجا ہے ۔

عجیب درد کا رشتہ ہے ساری دنیا سے کہیں ہو جلتا مکاں اپنا گھر لگے ہے مجھے

ترکی کی ناکام فوجی بغاوت کے متعدد اسباب ہیں مگر سابق وزیر اعظم احمد داؤد اوغلو کا بیان کردہ سبب بہت اہم ہے، انہوں نے میدان تقسیم میں عوام سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ترکی مظلوموں کا آخری قلعہ تھا اللہ تعالیٰ نے اسے گرنے سے بچا لیا اور اس کی حفاظت کی۔

اس موقع پر ہر طرح کے لوگ سامنے آئے، حامیوں نے اگر دل کھول کر حمایت کی تو ساری بلیاں بھی ایک ایک کر کے تھیلے سے باہر آ گئیں، سوشل میڈیا نے تو یوں ہی بہت سے مریضوں کو بھی مفکر بنا دیا ہے، کچھ مریض ذہنیت کے حاملین نے اس کو ڈرامہ قرار دیا اور یہ اعتراض کیا کہ مصر میں جب فوجی انقلاب آیا تو چلتا ہی رہا اور یہاں ۶ گھنٹہ میں ہی اس کی ہوا نکل گئی، کاش عقل اتنی بھی موٹی نہ ہو کہ موٹی موٹی باتیں بھی سمجھ میں نہ آسکیں، مصر و ترکی دونوں ایسے ملک ہیں جہاں یورپ کے ذریعہ فوجی ڈکٹیٹر شپ مسلط کی جاتی رہی ہے، مصر میں فوج کی تطہیر کا موقع محمد المرسی حفظہ اللہ کو نہ مل سکا تھا جبکہ اردوغان صاحب گزشتہ ایک دہائی سے فوج کے ناخن کترنے میں لگے ہیں، اچھا ہوا کہ یہ باقی ماندہ عناصر بھی سامنے آ گئے، یہ یاد رہے کہ راقم کا موقف یہ ہے کہ ان عناصر میں بھی یہ جرأت نہ تھی کہ وہ بغاوت کر سکیں اور نہ ہی داخلی طور پر بغاوت کو تقویت ملنے کے اسباب تھے، یہ بغاوت خارجی اسباب و اثرات کا نتیجہ میں اندرون خانہ موجود نمک خواروں، پٹھوؤں اور پیشہ وروں کی کوششوں سے ہوئی تھی، اسی لیے فوری ناکامی اس کا مقدر بنی، مصر میں جب شب خون مارا گیا تو اس غاصبانہ حملہ کی قیادت باغی وملعون سیسی نے کی جو آرمی چیف تھا، جبکہ ترکی میں فوج کے باغی دھڑے نے آرمی ہیڈ کوارٹر پر قبضہ کر کے چیف آف آرمی کو مارشلاء کے اعلان پر مجبور کیا پھر بھی جب وہ اور ہیڈ کوارٹر میں موجود دیگر اعلیٰ فوجی حکام بغاوت کی حمایت پر راضی نہ ہوئے تو انہیں قید کر لیا گیا، یہ بات طشت از بام ہو چکی ہے کہ مصر میں فوجی بغاوت کے لیے منافق حکمرانوں کے ذریعہ خطیر رقمیں خرچ کی گئیں، سرکاری ملازموں کو خرید کر بجلی و پانی اور دیگر رفاہی اداروں کے انتظامات کو درہم برہم کرایا گیا اور اس طرح عوام میں ذہنی انتشار پیدا کیا گیا، مظاہروں کے لئے دیہات سے بدوؤں کو، اصل صورت حال سے بے خبر لوگوں کو کرایہ پر جمع کیا گیا اور یہ دکھایا گیا کہ ایک بڑی تعداد مرسی کے خلاف ہے، میڈیا نے خود سری کی اور جھوٹ کو سچ بنانے، کم کو زیادہ دکھانے کی پر فریب پالیسی پر عمل کیا، اس کے برخلاف اردوغان کے کارہائے نمایاں اور عوامی و رفاہی نیز معاشی و اقتصادی کارناموں نے بات یہاں تک پہنچائی کہ داخلی سیاسی مخالفین بھی اعتراف حق پر مجبور نظر آئے، وہاں لوگوں کو فوج کی حمایت میں سیسی نے اتار دیا اگر چہ ان کی اکثریت کرایہ پر لائی گئی تھی اور یہاں صدر کے ایک پیغام پر عوام ٹینکوں کے سامنے لیٹنے پر آمادہ ہو گئے، جبکہ مصر کی دیگر سیاسی جماعتوں نے اپنے ایمان تک کا سودا کر لیا، وہاں کی ایک بڑی سیاسی اور مذہبی رنگ میں رنگی ہوئی دینی جماعت نے محض مسلکی تعصب اور مادی فوائد کے پیش نظر اخوان کی مخالفت کی جبکہ یہاں خبر ملتے ہی تمام سیاسی جماعتیں بغاوت کی مخالفت اور اس کے تدارک پر غور کرنے کے لئے پارلیمان میں جمع ہو گئیں، سب سے نمایاں فرق یہ نظر آیا کہ مصر کے علماء اور بالخصوص مفتی اعظم دینی حمیت اور اسلامی غیرت کو بالائے طاق رکھ کر اپنے آپ کو علماء سلطان ثابت کرنے میں پیش پیش نظر آئے اور انہوں نے مصلحین کو مفسدین بتایا، اسلام اور امن پسندوں کے قتل کو جائز قرار دیا، جبکہ اللہ بھلا کرے ترکی کے علماء وائمہ کا کہ انہوں نے ایسے نازک وقت میں مساجد جو مسلمانوں کی زندگی کا محور و پاور ہاؤس ہیں ان کا صحیح استعمال کیا، ترکی کے دینی امور کے وزیر ڈاکٹر محمد غورماز نے بر

وقت اقدام کرتے ہوئے موبائل پر ایک چھوٹا سا پیغام لکھا اور تمام ائمہ وخطبا کو بھیج دیا، ان کے اس بروقت اقدام کے ذریعہ لوگوں کو مسجدوں میں جمع کیا گیا، اس طرح سے مساجد کے تقریباً ۹۰ ہزار لاؤڈ اسپیکر سے عوام کی صحیح رہنمائی کی گئی، تکبیر کے فلک شگاف اور باطل شکن نعرے بلند کیے گئے، اردوغان اور قانونی حکومت کے لئے دعائیں کی گئیں، اس طرح صبح کا سورج طلوع ہوتے ہوئے اس فوجی بغاوت اور باغی وزہرناک ناگ کا سر کچل دیا گیا اور پھر سڑکوں پر بطور سجدۂ شکر فجر ادا کی گئی۔

ایسا کیوں نہ ہوتا؟ ترک ایک آزاد قوم ہے، ترکی صرف ایک ترقی یافتہ اور ترقی پذیر مسلم ملک نہیں، ایک ابھرتی ہوئی مسلم قوت نہیں بلکہ عرصہ تک وہ عالم اسلام کا مرکز ومرجع اور اس کا دھڑکتا دل رہا ہے، مسلمانوں کے دور زوال میں بھی اس نے خلافت عثمانیہ کا مرکز بن کر ان کی قوت کو مجتمع رکھنے میں نمایاں کردار ادا کیا ہے، اسلام کی نشأۃ ثانیہ کی اس نے ایک زریں تاریخ رقم کی ہے، لادینیت کا خوفناک دور دیکھا ہے، آمریت اور فوجی حکومت نیز سیکولرزم کی کرشمہ سازیاں بہت قریب سے دیکھی ہیں، اس پورے دور میں معاشی بدحالی اور معاشرتی زبوں حالی کا بچشم خود نظارہ کیا ہے، ترکوں کو غلامی کی عادت کبھی نہیں رہی، غلامی تو ان پر مغرب نے ان کی سادگی کے سبب کمال عیاری سے مسلط کی، موقع ملتے ہی وہ اس سے نکلے اور نکلتے چلے گئے، جبکہ مصری قوم کو ہمیشہ جو غالب آجائے اس کی غلامی قبول رہی ہے، پھر بھی کوئی یہ سمجھے کہ یہ بغاوت نہیں تھی اسی لیے اتنی جلدی دبالی گئی یہ تو اس کے ذہن کا خلل تو ہوسکتا ہے، حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

اس بات کے ثبوت وشواہد منظر عام پر آچکے ہیں کہ یہ ایک منصوبہ بند سازش تھی، اس پر سب متفق ہیں کہ اس کے نتیجہ میں ترکی کی طاقت کو توڑنا اور اسلام پسندوں کا قتل عام کرنا مقصود تھا، جولسٹ باغیوں کے پاس سے برآمد کی گئی ہے وہ نو ہزار افراد پر مشتمل ہے، جن پر مقدمات چلا کر انہیں تختہ دار پر چڑھانا تھا، جن میں سرفہرست رجب طیب اردوغان تھے، بلکہ انہیں تو ان کے اس ہوٹل میں جہاں وہ چھٹیاں گزارنے کے لیے قیام پذیر تھے قتل کرنا پہلا مقصد تھا، ایک تجزیہ نگار کا کہنا ہے کہ مغرب اس بغاوت کے ذریعہ ترکی کو خانہ جنگی کی آگ میں جھلسا دینا چاہتا تھا، اس کے لئے ایک طرف اردوغان کو قتل اور دوسری طرف عمران علی جزیرے میں قید پی کے کے رہنما عبداللہ اوکلان کو قتل کرنا تھا، ان دونوں کے قتل سے ترکی میں مذہبی سیکولر طبقہ اور ترک کردوں کے درمیان جنگ کی جو آگ بھڑکتی وہ اسے اسی طرح جہنم بنادیتی جس طرح خانہ جنگی سے لہولہان عراق وشام کی حالت نظر آرہی ہے، اس کے بعد شام کی باقی ماندہ سنی آبادی اور ترکی میں موجود شامی مہاجرین کا جو حشر ہوتا وہ وقت خود بیان کرتا۔

اس بغاوت کے بعد جب حکومت نے صفائی مہم چھیڑتے ہوئے باغیوں کے خلاف کارروائی شروع کی تو یورپ تلملا اٹھا، یورپ کا دادا اور سرغنہ امریکہ چیخ اٹھا، جمہوریت کے لیے ان کا دوغلا پن واضح ہوگیا، یورپی یونین کا بیان آیا کہ کارروائی کرتے وقت جمہوری اقدار ملحوظ رکھی جائیں، جمہوری اور انسانی حقوق کی پامالی برداشت نہیں کی جائے گی، جرمنی اور فرانس کی طرف سے یہ بیان بہت شدت کے ساتھ دیا گیا، اردوغان نے دوٹوک جواب دیا کہ لوگ اپنے کام سے کام رکھیں، ابھی چند ماہ قبل فرانس میں دہشت گردانہ حملہ کے بعد حکومت نے وہاں عام لوگوں کو گرفتار کیا اور کس طرح پریشان کیا یہ ملحوظ رہنا چاہیے، کارروائی شروع ہوتے ہی ترکی کو ناٹو کی رکنیت ختم کیے جانے کی دھمکی ملنے لگی، امریکہ بہادر سے بغاوت کے ملزم فتح اللہ گولن کی حوالگی کا مطالبہ کرنے پر وہ

ثبوت مانگنے لگا اور جمہوری قوانین کی دہائی دینے لگا، کیا خوب وار کیا ترک وزیر اعظم نے بن علی یلدرم نے کہ امریکہ نے افغانستان و عراق کو تباہ کرنے کے لئے ان پر لگائے گئے الزامات کے کتنے ثبوت عالمی برادری کو دیے تھے، ۹/۱۱ کے واقعہ کے بعد بے قصوروں کو بدنام زمانہ گوانتانا موجیل میں قید کر کے ٹارچر کرنے کے لیے کتنے ثبوت پیش کیے تھے، بظاہر بن علی یلدرم کا یہ جواب امریکہ کو خاموش کر دینے والا تھا لیکن پھر بھی ترک وزیر اعظم نے کہا کہ ہم ثبوت وشواہد بھی پیش کریں گے۔

یہ الگ بات کہ جب دشمن پر یہ واضح ہو گیا کہ اس کا راز فاش ہو گیا ہے اور مکروہ کردار سامنے آ گیا ہے تو بظاہر اس وقت نرم بیانات آنے لگے ہیں، ناٹو کے ترجمان نے کہا کہ ہم ترکی کے ساتھ مکمل تعاون کریں گے تا کہ ترکی کو یہ شکایت نہ رہے کہ ہمیں تعاون نہیں ملتا، اچھر اردوغان کے دورۂ روس سے شامی بحران کے حل کی کچھ امید ہے، گو کہ امریکہ تلملا رہا ہے مگر فوری طور پر وہ کچھ کہنے کی پوزیشن میں نہیں۔ راقم سطور تو ان لوگوں کے ساتھ ہے جو یہ سمجھتے ہیں کہ فتح اللہ گولن پر الزام صحیح ہونے کا سب سے بڑا ثبوت اور خاموش معیار یہ ہے کہ ''کون کس کے ساتھ کھڑا ہے، کون کس کا حامی و ناصر ہے''، اردوغان نے اس وقت وہی وار کیا ہے جو امریکہ کرتا آیا ہے کہ جو ترکی جمہوریت پسند قوم کے ساتھ کھڑا ہے وہ یقیناً باغیوں اور دہشت گردوں کے ساتھ ہے، امریکہ فوراً جس طرح گولن کی حمایت میں اترا ہے اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ بغاوت امریکہ و گولن کی تخریبی کوششوں کا نتیجہ ہے، لوگوں کو یہ تو نظر آ رہا ہے کہ گولن و اردوغان کے پہلے بڑے گہرے تعلقات تھے بعد میں کشیدہ ہوئے، اس لیے وہ انہیں سیاسی حریف کے طور پر دیکھ رہے ہیں، کاش لوگوں کو یہ بھی نظر آتا کہ گولن کا جو چہرہ بعد میں سامنے آیا، پہلے اس رخ مکروہ پر نقاب چڑھی تھی، گولن اپنے مذہبی نظریات میں بھی مختلف فیہ نکلے، ان کی پسند کا اسلام وہی ہے جو امریکہ کو پسند ہے، جس کی حمایت میں وہائٹ ہاؤس بھی افطار پارٹی کا دستر خوان چنا جاتا ہے(۱) اس کے مکروہ کارناموں اور باطل نظریات سے پردہ اٹھانے والی تحریر ڈاکٹر محمد غورماز کی نظر سے گزری، اسی طرح پاکستان عالم مفتی ابولبابہ نے بھی تفصیل سے اپنے سفرنامہ میں تذکرہ کیا ہے کہ کس طرح یہ اصلاحی تحریک اور اس کا بانی فضائی طور پر ہائی جیک کیا گیا، ظاہر ہے کہ یہ کوئی مستحیل و مستعبد اور ناممکن بات نہیں، گردش دوراں ہمیں اور ایسے فروخت ہو جانے والے مجددین سے ملاقات کرائی ہے، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب نے اس کو منافقین اور ابوالفضل وفیضی اور بدنام زمانہ ایمان فروش مفتی علی جمعہ کی صف میں شمار کیا ہے، پروفیسر محسن عثمانی اور دیگر صاحب نظر اصحاب قلم کا بھی یہی موقف ہے، الاتحاد العالمی لعلماء جیسی نمائندہ تنظیم اور اس کے مؤقر ارکان کا بھی یہی نظریہ ہے، بعض حضرات نے ابتدائی طور پر اس کے کارناموں سے متاثر ہو کر اس کی تعریف و تائید کی تھی لیکن جلد ہی ان پر اصل کردار واضح ہو گیا اور انہوں نے برأت کا اظہار کیا، دسمبر ۲۰۱۳ تک ایسے حضرات رجوع کر چکے تھے، بقول اردوغان بغاوت کی ایک ناکام کوشش (یا یوں کہیے بغاوت کی ابتدا) دسمبر ۲۰۱۳ میں ہونے والے مظاہروں کی شکل میں ہو چکی تھی، اب جبکہ بات تقریباً پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے پھر بھی بعض بڑے اور متدین اہل قلم کا تذبذب میں رہنا حیرت انگیز بھی ہے اور یہ سوال بھی جنم دیتا ہے کہ آخر جب اکثر علماء ترک و عرب اور الاتحاد کے نمائندے ثبوت وشواہد کی بنیاد کی شخص کو ملزم بلکہ مجرم کہہ رہے

(۱) اردوغان کے ترقیاتی کاموں اور گولن کی تفصیلات اس لیے شامل مضمون نہیں کی گئیں کیوں کہ ہم ان دونوں موضوعات پر علحدہ مضمون شائع کر رہے ہیں۔

ہیں تو دبے لفظوں میں اس کی تایید کیوں؟؟ جبکہ ایسے لوگ اس کے باطل نظریات سے براہ راست واقف ہیں۔

اس موقع پر میڈیا یہ تو دکھا رہا ہے کہ ملک میں ایمرجنسی نافذ کردی گئی اور صدر کو خاص اختیارات حاصل ہو گئے، یہ بھی دکھا رہا ہے کہ اتنے لوگ معطل یا معزول کر دیے گئے اور اتنے گرفتار کر لیے گئے، یہ صحیح ہے کہ ایمرجنسی نافذ کردی گئی اور اب تک تقریبا پچاس ہزار لوگوں کو گرفتار کیا گیا یا اپنے عہدوں سے برطرف یا معطل کیا گیا___ لیکن یہ بھی تو منظر عام پر لانا چاہیے کہ ترکی میں ایمرجنسی کے باوجود عام زندگی معمول پر ہے، ملزمین و مجرمین کے علاوہ کسی کو کوئی خوف و ہراس نہیں، سب اپنے معمول کے مطابق زندگی گزار رہے ہیں، 1200 فوجیوں کو ابتدائی تفتیش کے بعد نہ صرف رہا کیا گیا بلکہ ان کے عہدوں پر بحال کردیا گیا اور یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے، بغاوت کے مجرمین اور مزاحمت کرنے والے عوام کے قاتلوں کے لیے حقوق و رحم کی دہائی دینا کون سی دانشمندی ہے، اسی طرح بغاوت کے ملزمین کی کھلی اور دوٹوک حمایت کرنا کہاں تک درست ہے۔

اب تو لوگوں کو سمجھ لینا چاہیے کہ مغرب اپنی اسلام دشمنی میں کہاں تک جا سکتا ہے، مصر میں جمہوریت کے قتل پر اس نے مجرمانہ خاموشی اختیار کی، صدر اور ارکان حکومت پر جھوٹے الزامات لگا کر غیر انسانی طریقہ سے مقدمات چلائے گئے تو اس نے بغلیں بجائیں، وہاں عوام کے ساتھ خون کی ہولی کھیلی گئی تو اس نے تایید کی، اس پورے ڈرامہ کو اسٹیج کرنے کے لئے اپنے گرگوں سے دولت کے دہانے کھلوائے، اور اب ترکی میں وہ باغیوں کی حمایت کررہا ہے نتیجہ صاف ہے کہ اسے اسلام پسند، اسلامی نظام کے حامی اور دور خلافت کا ذکر کرنے والے، مغربی نظریات پر اسلامی نظریات کی بالا دستی تسلیم کرنے والے پسند نہیں، کیا اس پالیسی کی وضاحت کے لیے اس سے بھی واضح کسی اور مثال کا انتظار ہے، کیا سمجھنے کا اب کوئی اور موقع آئے گا، کیا مغربیت کے گن گانے والے اور مغربی میڈیا و قوانین کی دہائی دینے والوں کا اب بھی اس پر ویسا ہی ایمان باقی رہے گا۔ سوال یہ ہے کہ اگر 15 منٹ قبل اردوغان نکل نہ جاتے اور ان کا قتل ہو جاتا اور بغاوت کامیاب ہو جاتی تو بھی کیا مغرب یہی رویہ اپناتا، تو بھی کیا اسی طرح واویلا مچاتا۔ امریکہ و اسرائیل اور ایران و روس وہ ممالک ہیں جو انتظار میں بیٹھے تھے جشن منانے کے لیے، مغربی میڈیا جس تندہی کے ساتھ لمحہ بہ لمحہ خبریں نشر کررہا تھا وہ قابل دید تھا، لیکن اہل وفا کی وفاشعاری نے قبل از وقت اردوغان کو خبر دی، انہوں نے عقل کا صحیح استعمال کیا، اللہ نے ان کی نصرت فرمائی اور یہ خوفناک کھیل ختم ہو گیا، اس موقع پر سب سے اہم جو چیز دیکھنے کو ملی وہ رجب طیب اردوغان کی قبولیت تھی، ترکوں نے جس طرح ان کے ایک پیغام پر اپنی جان نچھاور کرنے کا مظاہرہ کیا وہ اپنے آپ میں ایک مثال ہے، اردوغان کی کچھ نیکیاں تھیں جو اس نازک وقت میں سپر بن گئیں، عین وقت پر انٹلی جنس کے سربراہ بارمان فیدان نے ان سے ہوٹل چھوڑنے کو کہا، ان کے نکلنے کے تھوڑی ہی دیر بعد (بعض رپورٹ کے مطابق ۱۵/منٹ بعد) باغیوں نے ہوٹل پر بمباری کردی۔

تم ہو ایک زندۂ جاوید روایت کے چراغ   تم کوئی شام کا سورج ہو کہ ڈھل جاؤ گے

اس موقع پر اردوغان کی مدح کی گئی تو اردوغان مخالف اور تلملائے، ظاہر ہے جو اردوغان کی تعریف کرتا ہے وہ یہ نہیں سمجھتا کہ اردوغان معصوم ہیں، وہ ہرگز معصوم نہیں، ان سے غلطیاں ممکن ہیں، لیکن آج کی فریبی دنیا میں اسلام پسندی کے ساتھ مظلوموں کی حمایت کرتے ہوئے ملک کو ترقی کے اوج کمال تک لے جانا اردوغان کا وہ کارنامہ ہے جس پر ہر مسلمان کو فخر کرنا

چاہیے، اردوغان کی اسلام پسندی اوران کی سربراہی میں ترکی کے بے مثال معاشی سیاسی، عسکری اور تعلیمی ترقی نے ہی اردوغان کو مغرب کی آنکھ کا شہتیر بنادیا ہے۔

مغرب کے حاسدین کے لیے کیا یہ کم ہے کہ ترکی اس وقت دنیا کی آٹھویں بڑی اقتصادی طاقت ہے، اسی قبیل کے کچھ بے چارے گلے شکوے کرتے نظر آئے کہ صدر ترکی کو عربی میں مبارکبادیاں کیوں دی گئیں، ترک تو ترکی کے علاوہ کچھ سمجھتے ہی نہیں، دلیل یہ بھی دے ڈالی کہ میں بھی ترکی گیا اور میرا بیٹا بھی، مجھے تو ایسا کوئی ماحول وہاں ملا نہیں ___ اصول یہ ہے کہ لوگ جس مزاج کے ہوتے ہیں ان سے ملتے بھی اسی مزاج کے لوگ ہیں، اردوغان کا یہ کارنامہ ہے کہ عربی ایک موضوع کی حیثیت سے داخل نصاب کی گئی، عربی بولنے پر لوگ احترام کی نظر سے دیکھنے لگے، عربی عالمی زبان ہے، اس زبان میں لکھے گئے خطوط کا ترجمہ ہونے میں دیر نہیں لگتی، لوگ پھر سے عربی کی طرف مائل ہوئے، معاشرہ میں اسلامی رنگ پھر نظر آنے لگا، بلا شبہ اس میں بہت سی شخصیات و تحریکات کا خون جگر شامل ہے مگر وہ پرسکون ماحول کس نے فراہم کیا جس ماحول میں لوگ اپنے مشن کو جاری رکھ سکیں، اس ماحول کی تشکیل میں اردوغان کی محنت، ایمانداری اور خود احتسابی کو بڑا دخل ہے، ان کے متعدد خطابات سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اکثر اپنی خلوتوں میں اپنا احتساب کرتے ہیں اور حفیظ مرحوم کے اس مشورہ پر غور کرتے رہتے ہیں ۔

یہ بھی تو سوچیے کبھی تنہائی میں ذرا دنیا سے ہم نے کیا لیا، دنیا کو کیا دیا

بہر حال مصیبت آ کر فی الحال تو گزر گئی ہے لیکن اصل امتحان اب ہے، مجرمین کی شناخت بھی کرنی ہے، انہیں سزا بھی دینی ہے اور مغرب کے داؤ پیچ سے بچنا بھی ہے، اس پوری کارروائی میں جذبۂ انتقام سے پرہیز ضروری ہے اور اردوغان سے فی الحال انتقام کی امید بھی نہیں، البتہ تطہیر کے لیے قدرت نے جو موقع دیا ہے اس میں وہ کسی حد تک نرمی نہیں برتیں گے ان کا اعلان بھی اسی قسم کا ہے کہ جس نے اپنے ملک اور اپنی قوم پر رحم نہیں کیا وہ ہماری طرف سے کسی بھی طرح کے رحم کا مستحق نہیں ___ یوں تو سرسری نظر رکھنے والے کہیں گے کہ گولن سے اردوغان انتقام لے رہے ہیں ___ لیکن یہ خام خیالی اور بے جا تبصرہ کے سوا کچھ نہیں ___ گہرائی سے اس کا مطالعہ اشد ضروری ہے کہ گولن کی نشو ونما کیسے ہوئی، وہ ایک داعی ومبلغ کے طور پر مشہور ہوئے، پھر ان کے عقائد ونظریات میں کیا تبدیلی آئی، اب اس قوت وہ کن کن باطل نظریات کے حامل ہیں، 2003 سے امریکہ میں کیوں خود ساختہ جلاوطنی کی زندگی گزار رہے ہیں، اردوغان سے تعلقات تو 2013 میں خراب ہوئے، امریکہ نے ان کو سیاسی پناہ کیوں دے رکھی ہے، اس قدر وہ ان کا حامی کیوں ہے، ان کی شہرت کے اسباب کیا تھے پھر ان کی کارکردگی پر سوالیہ نشان کیوں لگائے جانے لگے، اگر وہ امریکہ واسرائیل کے ہاتھوں یرغمال بنے تو کس طرح بنے، پھر یہ بات پردہ خفا میں کیسے رکھی گئی اور اس کا اظہار کس طرح شروع ہوا، ان سوالات سے اعراض کرتے ہوئے گولن تحریک کے خلاف کریک ڈاؤن کو ذاتی اور سیاسی انتقام قرار دینا انتہائی غیر ذمہ دارانہ رویہ اور طفلانہ حرکت ہوگی، جبکہ ماضی قریب کے متعدد واقعات اس بات پر شاہد عدل ہیں کہ گولن ترکی کے تخت پر ایسے شخص کا اقتدار نہیں چاہتے جو مکمل اسلامی نظام کا حامی اور دلدادہ ہو، عیسائیوں کی طرح ان کا نظریہ صاف ہے کہ مذہب کو سیاست سے دور رکھنا چاہیے، جس طرح مغربی حکومتیں مذہب بیزار چنگیزی سیاست کی دلدادہ وعلمبردار ہیں ___ یہ موقع بڑا سخت ہے، اردوغان کی فراست کا بھی سخت امتحان ہے مگر ذات باری سے امید

قوی ہے کہ وہ بے سہاروں کے سہارا اور مظلوموں کے حامی اور اظہار حق کی جرأت رکھنے والے اس مقبول ومحبوب قائد ملت کو ضائع نہ کرے گا، إن الله لا يضيع اجر المحسنين۔ ☆☆☆

ابھی کیا ھے کل اک اک بوند کو ترسے گا میخانہ:

رمضان کا مہینہ تھا، اچانک بنگلہ دیش میں ایک دھماکہ ہوا، اس کی جس قدر مذمت کی جائے کم ہے، دھماکہ کرنے والوں میں سے کسی ایک نے اپنے ٹوئیٹر اکاؤنٹ پر لکھا کہ میں ذاکر نائک کی تقریر سے متاثر ہوں، اسے بنیاد بنا کر ہندوستانی میڈیا نے آسمان سر پر اٹھالیا، گویا اسے مصروف رہنے اور انتشار پھیلانے کا ایک موضوع ہاتھ آ گیا، شکیل حسن شمسی صاحب جنہیں بڑا سلجھا ہوا اور سوجھ بوجھ کا صحافی کہا جاتا تھا ___ البتہ جاننے والے پہلے سے ہی جانتے تھے ___ انہوں نے بھی مذہبی تعصب کے نشہ میں جھوم جھوم کر بھڑاس نکالی اور مسئلہ کو خوب ہوا دی، اگر ایسا انہوں نے کیا تو قطعاً غلط نہیں کیا، اس لیے کہ تمام تر کوششوں کے باوجود جس طبقہ سے ان کا تعلق ہے اس طبقہ کی طرف سے وفا کی امیدیں ہمیشہ پاش پاش ہوئی ہیں، اتحاد ملت کے نعرہ ہر مرتبہ ایک موہوم آواز ثابت ہوا ہے، کبھی مخالفت کھل کر ہوئی ہے اور کبھی پسِ پردہ، اس طبقہ کی حمایت ہمیشہ اس ملک کی اس تنظیم اور اس جماعت کو حاصل رہی ہے، جو انتہائی متشدد و متعصب قوم پرستی کے رویہ کی حامل ہے، یاد رہے کہ ہندو مذہب ایک موہوم مذہب ہے جس کی تعریف وتشریح کرنا از خود ایک گتھی کو سلجھانا ہے لیکن اس مذہب کی آڑ میں جس چیز نے جنم لیا وہ سخت گیر اور متعصّبانہ قوم پرستی کا رویہ ہے، جس نے آزاد ہندوستان میں ہزاروں مرتبہ عام اور کمزور انسانوں کے خون سے ہولی کھیلی ہے۔

ذاکر نائک اور ان کے نظریات سے سو فیصد اختلاف ممکن ہے، لیکن کسی کے محض یہ کہہ دینے پر ان کو متہم کرنا درست نہیں کہ وہ ان سے متاثر ہے، ذاکر نائک کی حیثیت ایک مبلغ کی ہے، وہ نہ ماہر عالم دین ہیں اور نہ احکام شریعت کے رمز شناس، ان سے یہ امید کرنا کہ وہ سب کے من کی بات کریں خام خیالی ہے، ظاہر ہے کہ ان کو جس طبقہ کی حمایت وتائید حاصل ہے اور جس سے ان کے مفادات وابستہ ہیں وہ ترجمانی ان ہی کے نظریات کی کریں گے، لیکن اس کو بنیاد بنا کر اغیار کے ساتھ کھڑے ہو جانا اور کفر کی ہاں میں ہاں ملانے کا کام وہی کر سکتا ہے جس کی ہمدردیاں کفر کے ساتھ ہوں، اس موقع پر اہل بدعت کا رویہ بھی بڑا کدورت آمیز رہا، اس طبقہ کی بھی اکثریت نے اہل تشیع سے بہت سی چیزوں میں مشابہت کے ساتھ اس مسئلہ میں بھی انہیں کا ساتھ دیا، انتخابات سے لے کر صوفی کانفرنس تک اور پھر اب تک ایسا لگتا ہے کہ دشمنان اسلام مسلمانوں کو بانٹنے میں کامیاب ہو گئے ہیں، ان حالات میں سوشل میڈیا پر ایک اچھا اور سوجھ بوجھ سے عبارت مضمون ایک بریلوی صاحب قلم کا نظر سے گزرا، وہ اسی قبیل کا تھا جیسا مضمون صوفی کانفرنس سے قبل یٰسین اختر مصباحی صاحب نے لکھا تھا ___ اس مضمون میں کم از کم من حیث القوم اس حقیقت کا شدت کے ساتھ اظہار کیا گیا تھا کہ نظریاتی اختلاف صد ہزار بار تسلیم مگر اب لڑائی کفر واسلام کی ہے، اگر آج ایک طبقہ کفر کی حمایت میں ہے تو کل کفر اس پر بھی مسلط ہوگا، اسے اس سے مطلب نہیں ہے کہ کون بریلوی ہے کون شیعہ اور کون دیوبندی ___ اس مرحلہ میں یقیناً ہمارے علماء کرام اور اداروں نے واقعی بڑے دانشمندانہ فیصلے کیے اور سخت رویہ اپنایا، میڈیا کو بھی منہ کی کھانی پڑی اور شر پسند عناصر بھی اپنا سا منہ لے کر رہ گئے ___ یہ الگ بات کہ دوسرے تیسرے روز ہی اعلیٰ جنس نے ذاکر صاحب کو کلین چٹ دے دی تھی، البتہ ابھی دو روز قبل

یہ خبر آئی کہ جور پورٹ وزیر اعلیٰ کو سونپی گئی ہے اس میں ان کے رشتے دو تین بدنام زمانہ اور ممنوعہ تنظیموں سے بتائے گئے ہیں، جس پر حکومت نے قانونی مشاورت کی بات کہی ہے، بظاہر ایسا نہیں لگتا مگر حقائق سے پردہ تو آنے والا وقت اٹھائے گا، کہ یہ تحقیق کس قدر حقیقت اور کس قدر فسانہ ہے، اسباب مختلف ہو سکتے ہیں، خدا کرے کہ ایسا نہ ہو الزام محض الزام ہی ثابت ہو۔

یہ مسئلہ دبا بھی نہ تھا کہ دلتوں پر مظالم کا سلسلہ چل پڑا، ''گئو رکشا'' کے نام پر بڑھتی غنڈہ گردی مسلمانوں پر زور آزمائی کے بعد دلتوں کو نشانہ بنانے لگی، میڈیا ''برہمن واد'' کا حامی نظر آیا اور کیوں نہ ہو کہ تمام ملکی وقومی وسائل پر اس 3.5% آبادی کا قبضہ ہے، مگر یہ حقیقت حکومت وقت اور برہمنیت کے علمبرداروں پر بھی عیاں ہے کہ دلتوں سے ٹکرانا کوئی آسان کام نہیں، ملک کی تقریباً ستر فیصد آبادی ان ہی پر مشتمل ہے، اگر وہ اس حقیقت سے واقف ہو گئے کہ وہ ہندو نہیں ہیں بلکہ آزاد ہندوستان میں انہیں فریب دے کر ۱۹۵۶ کی مردم شماری میں ہندوؤں میں شامل کر لیا گیا، اور پھر بہت سی چیزوں میں رعایت ومروت کا ایک دور شروع ہوا جس سے کہ آئندہ نسل کے ذہن سے یہ نکالا جا سکے کہ وہ ''شودر'' ہے اور یہ بٹھایا جا سکے کہ وہ ہندو ہیں، لیکن سخت گیر برہمنی نظریات برابری اور رعایت کے اس دعوی کو ایک حد تک ہی قبول کر سکتے ہیں، لہذا وقتاً فوقتاً یہ منظر بھی نظر آتا ہے جواب نظر آیا، بہت کم لوگ جانتے ہیں، خود میرے علم میں ابھی جلدی ہی یہ اضافہ ہوا کہ بابری مسجد کی شہادت میں ایک بھی برہمن شامل نہیں تھا، بلکہ سارے بلوائیوں کا تعلق شودر واچھوت کہلانے والی برادریوں سے تھا، اس کا راز یہ ہے کہ اس دور میں دلتوں کی ملک گیر تحریک ''منڈل کمیشن موومنٹ'' بہت شدت کے ساتھ شروع ہوئی جس کو نہ روکنا ممکن تھا اور نہ اس کے مطالبات برہمنیت کے علمبردار پورے کر سکتے تھے، اس لیے کمالِ عیاری کے ساتھ اس کے رخ کو موڑ Divert کر دیا گیا اور انہیں یہ دلاسا دے کر کہ تمہارے ایودھیا میں ایک رام مندر بنایا جائے گا ادھر بھیج دیا گیا، بہر حال اس مسئلہ میں وزیر اعظم کو زبان کھولنی پڑی اور بظاہر گئو رکشکوں پر اپنے غصہ کا اظہار کرنا پڑا___ کیوں نہ کرتے، اگر دلت ووٹ ہاتھ سے نکل گیا تو ظاہر ہے 3.5% آبادی کے لوگ اپنے پیروں پر بھی کھڑے نہ رہ سکیں گے۔

یہ مسئلہ چل ہی رہا تھا اور ''انقلاب'' کی صورت حال مشکوک تر ہوتی جا رہی تھی کہ اچانک ایک دن ''انقلاب'' کے صفحہ اول پر اشتہارات اور اشتہاری بنایات دیکھے، جس میں یہ دکھانے کی کوشش کی گئی تھی کہ یوپی میں مسلمانوں کے سب سے بڑے مسیحا ''حضرت ڈاکٹر ایوب'' ہیں، ان کی اہمیت کو اس طرح اجاگر کیا گیا تھا کہ بی جے پی کے اقتدار کی راہ میں گویا وہ تن تنہا مزاحمت کار ہیں، اس لیے بی جے پی کے فائر برانڈ، فحش گو اور سخت متعصب گورکھپوری لیڈران کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں، یہ تاثر دیا گیا تھا کہ سوشل میڈیا پر ان دنوں ان کی نوک جھونک چل رہی ہے، جبکہ ہم جانتے ہیں کہ ایسا کچھ بھی نہیں چل رہا، یہ Divide and Rule کی پالیسی کے حصول کے لیے مسلمانوں کو مشتعل Mobilize کرنے کی ایک منصوبہ بند سازش تھی جس سے مسلمانوں کا متنبہ ہونا انتہائی ضروری ہے، یہ کوشش صرف اس لیے تھی کہ بھولے بھالے لوگ اس اشتہار سے یہ سمجھیں کہ جب بی جے پی کو اس شخص سے اتنا خطرہ ہے تو کیوں نہ اس کو تھوڑا اور سپورٹ کر کے کامیاب کر دیا جائے، اس طرح تقسیم کی سازش کامیاب ہو جائے گی اور بی جے پی کی منشا پوری ہو جائے گی___ کیوں کہ زمین پر اس شخص کی کوئی حقیقت نہیں، جو کچھ تنظیمی ڈھانچہ وجود میں آیا تھا وہ 2012 میں بکھر چکا، ڈاکٹر ایوب 2012 میں اپنے کردار کا واضح ثبوت پیش کر چکے ہیں، بی جے پی اور کانگریس RSS کا دایاں اور بایاں بازو ہیں، اور دونوں سے ان کے تعلقات اور ان کی قربت اہل نظر کو معلوم ہیں___ اس موقع پر بھی

انقلاب کی ہمدردی صاف طور پر بی جے پی کے ساتھ نظر آئی اور مسلمانوں کو دھوکہ دینے کی ایک مذموم کوشش کی ___ راقم سطور نے ذاکر نائک والے مسئلہ کے بعد سوشل میڈیا پر انقلاب کے بائیکاٹ کی اپیل کی تھی اور اب بھی صبح کا خبار اٹھاتے ہی سوشل میڈیا پر حقیقت حال بیان کر دی ___ بہت سے سادہ لوح یہ نہیں جانتے کہ ''انقلاب'' جاگرن گروپ کی ملکیت ہے اور جاگرن گروپ کی آمدنی کا 2.5% سے 3.0% فیصد تک حصہ RSS کے لیے مختص ہے ___ طرفہ تماشہ تو دیکھیے کہ مدرسوں اور مولویوں کی جیب سے RSS کی معاونت کے لیے یہ رقم جمع ہوتی ہے ___ اور اب تو اشتہار بازی کی مہم میں ایک دوسرے سے آگے نکل جانے کے لئے ہزاروں اور لاکھوں کے اشتہارات آئے دن مولوی حضرات محض مبارکبادیوں کے لیے خریدتے ہیں اور اس طرح قومی مال سے RSS کو چندہ فراہم کرنے میں مدد کی جاتی ہے۔

بات نکلی ہے تو بر سبیل تذکرہ عرض کر دوں کہ شام کی صورت حال پر حضرت شکیل شمسی کبھی خامہ فرسائی نہیں کرتے، رمضان میں ایک روز وہ اپنے اداریہ میں امریکہ پر بہت برسے تو راقم سطور نے سوشل میڈیا پر انہیں مخاطب کر کے ان کی بڑی تعرف کی اور ساتھ ہی یہ استفسار بھی کیا کہ جناب من کبھی شام میں روس جو کچھ کر رہا ہے اس پر خامہ فرسائی کیوں نہیں کرتے صرف امریکہ کو ہی لے کر دل کے پھپھولے کیوں پھوڑتے ہیں، جواب ارشاد ہوا کہ پتہ نہیں کیوں جب میں امریکہ پر تنقید کرتا ہوں تو لوگ میرے قلم کا رخ موڑنا چاہتے ہیں۔ ہمارے ملک میں ایسے بکے ہوئے اہل قلم ہیں جو امریکہ کے سلسلہ میں نہ کچھ لکھتے ہیں نہ سننا چاہتے ہیں، سلسلۂ گفتگو دراز نہ ہو سکا ہمارے سوالات میں موجود متعدد حقائق کی تلخی وہ برداشت نہ کر سکے اور بہت تلخ جواب دے کر ہمیں بلاک کر دیا، خیر انہیں کیا معلوم کہ ہم اس سے واقف ہیں کہ امریکہ کی برائی کرنے والے ہی اس کے حلیف ہیں، بظاہر اسرائیل دشمنی کی دہائی دینے اور امریکہ کو بزرگ شیطان کہنے والے ایران کی رازدارانہ دوستی وحمایت اب جگ ظاہر ہو چکی ہے، یہاں کے ایران نواز اردو اخبارات اور ان پر قابض اہل تشیع شام پر کیسے لب کھول سکتے ہیں کہ وہاں کا ظالم حکمراں طبقہ نصیری شیعہ ہے، اس کی بقاء اسرائیل کی بقا کی ضامن ہے، یہودی مفادات کی پاسداری نصیریوں نے ماضی میں کی ہے اور اب ایران مکمل طور پر کر رہا ہے، قیام اسرائیل سے اب تک بالخصوص 1968 کی عرب اسرائیل جنگ میں نصیریوں کے مذموم کردار کی تفصیل پیش کرنے کا یہ موقع نہیں، اس بات کے بے شمار شواہد موجود ہیں کہ شامی جابر قصاب الاسد کو آج تک لبنانی تنظیم حزب اللہ اور ایرانی کمانڈوز اور شیعی ملیشیات نے سنبھال رکھا ہے، ابھی کل کی خبر ہے کہ مزاحمت کار حلب کا محاصرہ توڑنے میں کامیاب ہوئے اور بشاری فوجوں کو موت کے عذاب کا مزہ چکھایا تو ایران بلبلا اٹھا، مزاحمت کاروں کے خلاف از سر نو صف آراء ہونے کے لیے خود ایرانی پاسداران انقلاب کی ماتحت نیوز ایجنسی ''فارس کے مطابق عراقی شیعہ تنظیم حرکۃ النجباء کے 2000 جنگجو حلب پہنچ گئے، جبکہ ایرانی ملیشائیں پہلے ہی وہاں موجود ہیں حزب اللہ کی تیار کردہ شیعہ ملیشیا ''الرضوان فورسز'' حلب کے مغرب میں واقع الحمدَ یہ پہنچ چکی ہیں، شام سے ایران کا مفاد وابستہ ہے اور ایران روس کا حامی بھی ہے، ایرانی فورسز اور ملیشیات روسی اسلحہ سے لیس ہو کر شام میں قتل عام کر رہی ہیں تو ایران نواز صحافی واخبارات شام کو موضوع گفتگو اور روس کو ہدف تنقید کیوں بنائیں؟؟

اس پوری تفصیل کو عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ آخر ہم ''انقلاب'' و ''سہارا'' کے محتاج کیوں؟ ان اخبارات کے مالکان اور ان کی پالیسیوں سے کسی خیر کی امید ممکن نہیں، کیا وجہ ہے کہ ہم اب تک ایک رہنما اخبار جو قومی پیمانہ کا ہو نہ نکال سکے، اردو کا نہ نکال سکے،

ہندی وانگریزی کا تو بہت دور کی بات، کیا دعوتی نقطۂ نظر سے اس کی ضرورت نہیں ہے، کیا یہ ہماری قومی وملی ضرورت نہیں ہے، کیا اگر ہمارا نیشنل لیول کا ہندی وانگریزی اخبار ہوتا اور ہم ان حقائق کو حکمت کے ساتھ پیش کرنے کا بیڑا اٹھاتے جو خود ہندوؤں کی تقسیم کا سبب ہیں تو آج ہماری حالت اس سے بہتر نہ ہوتی___ اگر سبرامنیم سوامی کھلے عام ٹی وی پر یہ بیان دے سکتے ہیں کہ مسلمانوں کو مسلکی بنیاد پر لڑائیں گے اور فائدہ اٹھائیں گے، تو ہم کیا حکمت ودانشمندی کے ساتھ ان کی حقیقت ان کی نئی نسلوں کو بتا کر صحیح اور برحق مذہب کا تعارف پیش نہیں کر سکتے، کیا ہمارے پاس فنڈ نہیں، چندہ دہندگان نہیں، بڑی بڑی تنظیمیں نہیں___ آخری کیا سبب ہے کہ میڈیا کا میدان جس میں ہم بہت کچھ کر سکتے ہیں اور جس کے ذریعہ ہم بڑی کامیابی حاصل کر سکتے ہیں وہ بھی ہم سے خالی ہے___ مجھے آج تک اس کا سبب نہ معلوم ہوسکا، جن پر عوام کا اٹوٹ بھروسہ ہے، جن تنظیموں کے پاس اربوں کی پراپرٹی اور کروڑوں کا چندہ ہے، جن کے اشاروں پر لاکھوں لوگ عقیدتیں نچھاور کرتے ہیں وہ بھی اس کا کوئی سبب نہیں بتاتے کہ اب تک وہ اس میں کیوں کامیاب نہ ہوسکے یا اس جانب توجہ کیوں نہ ہوسکی___ اردو اخبار ہیں مگر مالکان غیر مسلم، اس میں ہم مولویوں کے مضمون شائع ہوجائیں وہ بھی نیرے مذہبی موضوعات پر تو خوشی سے پھولے نہیں سماتے، ایک طرف تمام خیروں کی زہرنا کی ہمارے مفادات کے خلاف، سیاسی فضا ہموار کرنے کی مہم ہمارے خلاف، مجرم بنانے کی سازش میں کردار ہمارے خلاف، خبروں کی اشاعت کی پالیسی پر عمل ہمارے خلاف دوسری طرف رمضان نمبر، جمعہ نمبر، مدارس نمبر، شخصیات نمبر، درس قرآن و درس حدیث کا کالم اور ہم ہیں کہ اس شاطرانہ چال سے ناواقف ___ آخری روزناموں میں ان موضوعات کا کیا کام___ روزناموں کے لیے یہ ضمنی موضوعات ہیں، اخبارات کا کام ملی، سماجی وسیاسی مسائل پر رائے عامہ کو ہموار کرنا ہے اور اس مہم میں وہ ہمارے خلاف کام کرتے ہیں___ آپ کہہ سکتے ہیں کہ اور بہت سے اردو اخبار ہیں جن کے مالک مسلم برادران ہیں___ یقیناً ہیں مگر معاف کیجئے وہ فرد واحد کی ملکیت ہیں، یا تو وہ اخبارات دو چار ضلعوں تک محدود ہیں یا ایک دو ریاست تک، چند ایک اخبارات کو چھوڑ کر سب کے مفادات سیاسی ومادی مفادات کسی لیڈر یا کسی پارٹی سے وابستہ ہیں، وہ اسی کے لیے کام کرتے ہیں، اس کی اگر چہ بدرجہ مجبوری تعریف نہ کریں تو برائی کا بھی امکان نہیں، حقائق سے روشناس کرانا فرض شناسی ہے، اور انفرادی ادارے، انفرادی ملک میں کلنے والے اخبارات کی اکثریت فرض شناسی سے واقف ہی نہیں___

خلاصہ کلام یہ کہ اگر اس اہم شعبہ کو بھی ان حضرات نے یوں ہی چھوڑ دیا جن کی ایک آواز پر ملک گیر سطح پر یہ کام ممکن کہ، بڑے بڑے اہل ثروت جن کے حکم پر اس شعبہ میں قومی وملی مفاد کے لیے سرمایہ کاری کو اپنی سعادت سمجھتے ہیں تو آئندہ دنوں میں ہونے والے خسارے کا اندازہ کر پانا بھی مشکل ہے، ابھی کیا کم نقصان ہو چکا ہے، نئی نسل فکری طور پر ملحد، ذہنی طور پر غلام، خود اعتمادی سے عاری ہو چکی ہے، خوف وہراس ہر وقت دامن گیر ہے، اس صورت حال کی تشکیل میں پرنٹ والیکٹرانک میڈیا کا بڑا نمایاں اور گھناؤنا کردار رہا ہے، لیکن سچ یہ ہے کہ جب جاگیں تبھی سویرا، ابھی کچھ نہیں بگڑا ہے، کام کا میدان ہے، کامیابی کا امکان ہے پھر بھی اگر بروقت ہوش نہ آیا تو ؎

ابھی کیا! کل اک اک بوند کو ترسے گا میخانہ جو اہل ظرف کے ہاتھوں میں پیمانے نہیں آئے

☆☆☆

ڈاکٹر محمد طارق ایوبی ندوی

پیام سیرت

ایک صحابی کی آخری وصیت.....

اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ ہوا تو.....

محمد فرید حبیب ندوی

Mob. 9012621589

اور..... ہاں..... میری..... قوم..... انصار..... کو میرا..... یہ پیغام..... پہنچا دینا۔

اٹکی ہوئی سانس کے ساتھ ایک بندۂ خدا اپنی قوم کے لئے آخری وصیت کر رہا تھا۔

ہاں: آخری وصیت..... دنیا سے رخصت ہوتے وقت..... دل کی آخری بات۔

وصیت کرنے والا جاتے وقت سب سے اہم بات کہہ کر جاتا ہے۔

اس لئے کہ وہ جانتا ہے کہ اب وہ کبھی واپس نہیں آئے گا۔

آج اس کی زبان سے یہ آخری بات نکل رہی ہے۔

کتنی اہم ہوتی ہے وصیت.....!!!

مرنے والے کے لئے بھی!!

اور جنہیں وہ چھوڑ کر جاتا ہے ان کے لئے بھی۔

آپ سوچتے ہوں گے کہ اس نے کیا وصیت کی ہوگی؟

اپنے بچوں کی؟؟ نہیں۔

گھر بار کی؟؟ نہیں۔

کاروبار کی؟؟ نہیں۔

ہاں اگر ہم میں سے کوئی رخصت ہوتا ہے تو یہی وصیت کر کے جاتا ہے کہ:

میرے بچوں کا خیال رکھنا۔

ان کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ دینا۔

میری کمائی ہوئی دولت کو ان پر خرچ کر کے ہر طرح کی سہولت انہیں عطا کرنا۔

میرے بھائی بہن اور گھر والوں کا دھیان رکھنا۔

میرے کاروبار کو ٹھپ نہ ہونے دینا۔

ہاں..... میری قوم سے کہہ دینا۔

''میں رسول اللہ کو..... اپنے محبوب کو..... اپنی جان کو..... تمہارے حوالہ کر کے جا رہا ہوں''۔

اس نے لڑکھڑاتی زبان سے جو وصیت کی..... وہ سب سے انوکھی تھی۔

میں تو اپنے حصہ کا کام کر چکا۔

میں اپنی جان ہی تو قربان کر سکتا تھا، سو میں نے کر دی۔

میں تو اب جا رہا ہوں۔

رسول اللہ کو میرا آخری سلام عرض کرنا۔

اور کہہ دینا کہ آپ کا یہ غلام خوشی خوشی جا رہا ہے۔

اور اب آخرت میں آپ کا استقبال کرے گا۔

مگر میں اپنے رسول کو..... ان کے ناموس کو..... ان کی عزت کو..... اور ان کے دین کو..... تمہارے حوالہ کر کے جا رہا ہوں۔ جب تک تمہارے دل میں دھڑکن..... اور آنکھوں میں روشنی ہے۔

اور جب تک..... جب تک..... تمہارا آخری سانس باقی ہے۔

اس وقت تک..... یعنی..... مرتے دم تک.....۔

اب رسول تمہارے سپرد..... ان کا دین تمہارے ذمہ..... اور ان کی عزت و ناموس تمہارے حوالہ۔

اگر انہیں کچھ ہوا۔

انہیں کوئی گزند پہنچی۔

ان کے دین کو کوئی ضرر لاحق ہوا۔

اگر ان کے جسم کو ذرا سی خراش بھی آئی۔

اگر ان کے قلب اطہر کو ہلکی سی بھی ٹھیس پہنچی۔

تو اللہ تعالیٰ کے یہاں تمہارا کوئی عذر نہیں چلے گا۔

وہاں کوئی بہانہ کام نہ آئے گا۔

اللہ تعالیٰ پوچھے گا:

میرے رسول کے دین کا مذاق اڑایا جارہا تھا۔
میرے رسول کی شان میں گستاخیاں کی جارہی تھیں۔
ان کے بدن کو زخمی کیا جارہا تھا۔
ان کے دل کو پارہ پارہ کیا جارہا تھا۔
تم کیا کررہے تھے!!
اللہ تعالیٰ کیا کہے گا؟؟
فرشتے کیا سمجھیں گے؟؟؟
کہ اتنے سارے لوگوں سے ایک .....ذات رسول .....کی حفاظت نہ ہوسکی۔
سب مل کر بھی.....اپنے رسول اور.....اس کے دین کو بچا نہ سکے۔
بتاؤ کیا جواب دوگے؟ کوئی جواب ہے تمہارے پاس؟؟
یہ حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔
جو جنگ احد میں شہید ہوئے۔
جنگ ختم ہونے کے بعد آپ ﷺ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو بھیجا کہ سعد کو دیکھ کر آؤ، کیا حال ہے؟
اگر ان سے ملاقات ہو تو سلام کہنا اور کہنا کہ رسول اللہ خیریت دریافت کرتے ہیں۔
حضرت زید تلاش کرتے کرتے پہنچے تو وہ آخری سانسیں گن رہے تھے۔
رسول اللہ کا پیام سلام ملنے کے بعد انہوں نے جواب عرض کیا اور حضرت زید کے واسطے سے اپنی قوم کو یہ آخری وصیت کی۔
یہ وصیت صرف ان کی قوم کے لئے نہیں.....پوری امت کے لئے ہے۔
رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کرنا۔
آپ کے دین پر کوئی آنچ نہ آنے دینا۔
پوری امت کا فریضہ ہے۔
حضرت سعدؓ کی اس آخری وصیت کی بازگشت آج بھی سنائی دے رہی ہے اور پہلے سے کہیں تیز آواز میں سنائی دے رہی ہے۔
یہ تمثیل نہیں، حقیقت ہے..... یہ خیال نہیں، سچائی ہے۔
کان لگا کر سنئے تو صحیح.....دل کے کانوں سے سنئے۔
حضرت سعد آج بھی امت مسلمہ سے مخاطب ہوکر کہہ رہے ہیں!
مسلمانو!! کیا کررہے ہو؟؟
اتنی بڑی تعداد تمہارے پاس ہے!!
اور تم سے رسول اللہ کی حفاظت نہیں ہوتی!!
ان کے دین وشریعت کی پاسداری تم نہیں کرپاتے!!
پھر تمہاری یہ دولت کس کام کی؟؟
تمہاری یہ تعلیم کس فائدہ کی؟؟
تمہاری اس زندگی کا حاصل ہی کیا ہے؟؟
تمہیں اپنے اپنے گھر کی فکر ہے۔
اپنے اپنے مسلک کا خیال ہے۔
اپنے اپنے اداروں کی انفرادیت تمہارے ذہنوں پر مسلط ہے؟؟
اور رسول اللہ کی ذات نشانہ پر ہے۔
ان کا دین ٹارگٹ پر ہے۔
ان کی شریعت خطرہ میں ہے۔
تمہاری یہ تعلیم کس کام کی جو رسول اللہ ﷺ کے کام نہ آئے؟؟
تمہاری یہ دولت!!.....کیا کروگے اس کا؟؟ اگر اس سے آپ کے دین کی خدمت نہ کرسکے؟؟
اپنے بچوں کی۔
اپنی دولت کی۔
اپنے گھربار اور اہل وعیال کی فکر تمہیں ستاتی ہے۔
دین اسلام کے ساتھ کیا ہورہا ہے؟؟.....اس کی بھی تمہیں فکر ہے؟؟
تم سوچتے ہو کہ ہم کیا کرسکتے ہیں؟ کیا کریں؟؟
ارے اپنے گھر میں تو دین زندہ کرو۔
قرآن سے لگاؤ تو پیدا کرو۔
سنتوں کے احیاء کی تو کوشش کرو۔
نماز وروزہ کی تو پابندی کرو۔
یہی حفاظت ہے رسول اللہ کی .....ان کے دین کی .....اور.....ان کی لائی ہوئی شریعت کی۔
جس دن سے تم اتباع رسول کی پابندی اور نافرمانی سے اجتناب کرنے لگوگے.....اسی دن سے اسلام محفوظ ہوجائے گا۔
یہ..... میری .....آخری .....وصیت .....(اور سعدؓ انتقال کرگئے)۔

☆☆☆

خصائص وامتیازات (قسط—۵)

امت محمدیہ، خصوصیات وامتیازات

محمد قمر الزماں ندوی
جنرل سکریٹری: مولانا علاء الدین ایجوکیشنل سوسائٹی، جھارکھنڈ
maeducationalsociety@gmail.com

چوتھی خصوصیت: امت محمدیہ تمام امتوں میں سب سے بہترین امت:

امت محمدیہ ﷺ تمام امتوں میں سب سے بہترین امت ہے، اس کی یہ فضیلت اس آیت کریمہ سے ثابت ہے۔ کنتم خیر امة اخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنكر..... (سورہ ال عمران ۱۱۰) تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لئے (لوگوں کی نفع رسانی کے لئے) پیدا کی گئی ہے کہ تم نیک باتوں کا حکم کرتے ہو اور بری باتوں سے روکتے ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو۔

اس آیت کریمہ میں امت محمدیہ کے خیر امت ہونے کی جو وجہ بیان کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ یہ امت لوگوں کو نفع پہنچانے ہی کے لئے وجود میں آئی ہے اور اس کا سب سے بڑا نفع یہ ہے کہ لوگوں کی روحانی اور اخلاقی اصلاح کی فکر اس امت کا فرضِ منصبی ہے۔ سابقہ امتوں سے زیادہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تکمیل اس امت کے ذریعہ ہوئی۔ اگر چہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ گزشتہ امتوں پر بھی نافذ اور عائد تھا۔ لیکن سابقہ امتوں نے اس اہم فریضہ پر توجہ نہیں دی اپنی ذامہ داریوں کو صحیح طریقہ اور ڈھنگ سے ادا نہیں کیا اور اسے پس پشت ڈال دیا۔ جس کی پاداش اور نتیجہ میں اللہ جل شانہ نے اس قوم پر لعنت کی جیسا کہ قرآن مجید میں سورہ مائدہ (آیت نمبر ۷۸) میں اس کی تفصیل موجود ہے۔

"لعن اللذين كفروا من بنى اسرائيل على لسان داؤد وعيسى بن مريم ذلك بما عصوا وكانوا يعتدون. كانوا لا يتناهون عن منكر فعلوه لبئس ما كانوا يفعلون" (سورہ مائدہ ۷۸)

"بنی اسرائیل کے کافروں پر (حضرت) داؤد اور (حضرت) عیسی بن مریم کی زبانی لعنت کی گئی، اس وجہ سے کہ وہ نافرمانیاں کرتے تھے اور حد سے آگے بڑھ جاتے تھے، آپس میں ایک دوسرے کو برے کاموں سے جو وہ کرتے تھے، نہیں روکتے تھے، جو کچھ بھی یہ کرتے تھے یقیناً وہ بہت برا تھا۔"

امت محمدیہ کی اس فضیلت کے متعلق حضور ﷺ نے پیشن گوئی فرمائی ہے کہ اس امت میں تا قیامت ایک ایسی جماعت ہمیشہ رہے گی جو فریضۂ امر بالمعروف اور نہی المنکر پر قائم رہے گی۔ امت محمدیہ کی مذکورہ فضیلت ایسی ہے جو تا قیامت رہے گی۔ اور اس پر کسی نہ کسی شکل میں کوئی جماعت عمل پیرا رہے گی۔ اور امت کے بگاڑ وفساد کے وقت اللہ تعالیٰ اس امت میں ہر سو سال پر ایسے مجدد و مصلح کو پیدا کرتا رہے گا جو عقائد و اعمال کو نبوی طریقہ اور اسوہ پر لانے کے لئے مخلصانہ کوشش اور جد وجہد کرتے رہیں گے۔ چنانچہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا۔ "إن الله يبعث لهذه الامة على رأس كل

مائة سنة من يجدد لها دينها" (مشکوۃ کتاب العلم)

بیشک اللہ تعالیٰ اس امت کو (نفع پہنچانے) کے لئے ہر صدی کے کے سرے پر ایسا شخص بھیجے گا جو امت کے سامنے دین کو تازہ کردے گا۔ (ابو داؤد) ایک دوسری حدیث میں آپؐ نے فرمایا۔ آئندہ آنے والے ہر گروہ میں اچھے اور نیک لوگ اس (کتاب وسنت کے) علم کو حاصل کریں گے اور پھر اس علم کے ذریعہ غلو کرنے والوں کی تحریف کو مٹائیں گے، غلط کاروں کی غلطیوں کو رفع کریں گے اور (آیات قرآنی و احادیث میں) جاہلوں کی تاویلوں کا رد کریں گے۔

مذکورہ حدیثوں سے یہ بات واضح ہوگئی کہ ہر زمانہ میں اللہ تعالیٰ ایسے نیک اور اچھے عالموں کو پیدا کرے گا جو دین میں غلو اور تشدد کرنے والوں کا رد کریں گے اور سچی اور حق بات کو ظاہر کریں گے اور افراط وتفریط سے ہٹ کر دین کو اصل معتدل صورت میں پیش کریں گے۔

امت محمدیہ کے لئے وارننگ

"کنتم خیر امة" اس آیت میں امت مسلمہ کو "خیر امت" قرار دیا گیا ہے اور اس کی علت بھی بیان کردی گئی جو امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور ایمان باللہ ہے۔ گویا یہ امت اگر ان امتیازی خصوصیات سے متصف رہے گی تو "خیر امت" ہے بصورتِ دیگر اس امتیاز سے محروم قرار پاسکتی ہے۔ اس کے بعد کی آیت میں اہل کتاب کی مذمت سے بھی اسی نکتے کی وضاحت مقصود معلوم ہوتی ہے کہ جو امر بالمعروف ونہی عن المنکر نہیں کرے گا وہ بھی اہل کتاب کے مشابہ قرار پائے گا۔ ان کی صفت بیان کی گئی ہے "کانوا لا یتناھون عن منکر فعلوہ" (مائدہ ۷۹) "وہ ایک دوسرے کو برائی سے نہیں روکتے تھے" اور یہاں اسی آیت میں ان کی اکثریت کو فاسق کہا گیا ہے۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا درجہ اور حکم: امر بالمعروف یہ فرض عین ہے یا فرضِ کفایہ؟ اکثر علماء کے خیال میں یہ فرض کفایہ ہے، یعنی علماء کی ذمہ داری ہے کہ وہ یہ فرض ادا کرتے رہیں کیوں کہ معروف و منکر شرعی کا صحیح علم وہی رکھتے ہیں۔ ان کے فریضۂ تبلیغ ودعوت کی ادائیگی سے دیگر افرادِ امت کی طرف سے یہ فرض ساقط ہوجائے گا۔ جیسے جہاد بھی عام حالات میں فرض کفایہ ہے یعنی ایک گروہ کی طرف سے ادائیگی سے اس فرض کی ادائیگی ہوجائے گی تاہم ہر شخص اپنے اپنے دائرے میں بھی بلغوا عني ولو آية (میری جانب سے پہونچاؤ خواہ ایک آیت ہی کا تمہیں علم کیوں نہ ہو) کے تحت تبلیغ کا ذمہ دار ہے۔

ترک دعوت (تبلیغ) کا وبال

قوم بنی اسرائیل نے جب دعوت وتبلیغ سے منہ موڑا، اور اس اہم فریضہ پر توجہ نہیں دی، تو اس کی پاداش میں اللہ تعالیٰ نے اس قوم پر لعنت کی جیسا کہ قرآن کریم میں اشارہ کیا گیا ہے۔

بنی اسرائیل کے کافروں پر (حضرت) داؤد اور حضرت عیسی بن مریم کی زبانی لعنت کی گئی، اس وجہ سے کہ وہ نافرمانیاں کرتے تھے اور حد سے آگے بڑھ جاتے تھے، آپس میں ایک دوسرے کو برے کاموں سے جو وہ کرتے تھے روکتے نہ تھے، جو کچھ بھی یہ کرتے تھے، یقیناً وہ بہت برا تھا۔ (مائدہ ۷۹)

یعنی زبور میں جو حضرت داؤدؑ پر اور انجیل میں جو حضرت عیسیٰؑ پر نازل ہوئی ان دونوں انبیاء کی زبانی قوم یہود پر لعنت کی گئی، اور اب یہی لعنت قرآن کریم کے ذریعہ سے ان پر کی جارہی ہے جو حضرت محمد ﷺ پر نازل ہوا، لعنت کا مطلب اللہ کی رحمت اور خیر سے دوری ہے۔ لعنت کے اسباب کو خود قرآن نے واضح کردیا۔ (۱) عصیان، یعنی واجبات کا ترک اور محرمات کا ارتکاب کرکے انہوں نے اللہ کی نافرمانی کی، (۲) اور اعتداء یعنی دین میں غلو اور بدعات ایجاد کرکے انہوں نے حد سے تجاوز کیا۔ (۳) اس پر مستزاد یہ کہ وہ ایک دوسرے کو برائی سے روکتے نہیں تھے، جو بجائے خود ایک بہت بڑا جرم ہے، بعض مفسرین نے اسی ترک نہی کو عصیان اور اعتداء قرار دیا ہے، جو لعنت کا سبب بنا۔ بہرحال دونوں صورتوں میں برائی کو

دیکھتے ہوئے برائی سے نہ روکنا، بہت بڑا جرم ہے، اور لعنت و غضب الٰہی کا سبب۔ حدیث میں بھی اس جرم پر بڑی سخت وعیدیں بیان فرمائی گئی ہیں۔ اسی لئے ایک حدیث میں اس کی تاکید کرتے ہوئے کہا گیا ہے۔

من رأی منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فإن یستطیع فبقلبہ وذلك اضعف الایمان (صحیح مسلم باب الایمان) ''تم میں سے جو شخص کسی منکر (برائی) کو دیکھے تو اسے چاہیے کہ اسے ہاتھ سے روک دے، اگر اس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے روکے، اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو دل سے اسے برا سمجھے اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے''۔

ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے۔ إن اللہ لا یعذب العامة بعمل الخاصة حتی یروا والمنکر بین ظھرانیھم وھم قادرون علی ان ینکروہ فإذا فعلوا ذلك عذب اللہ العامة والخاصة (مستدرک احمد ج۴، صفحہ۱۹۲)

یقیناً اللہ تعالیٰ خاص لوگوں کے عمل (گناہوں) کی وجہ سے عام لوگوں کو عذاب نہیں دیتا، یہاں تک کہ جب عام لوگوں کا حال یہ ہو جائے کہ وہ برائی اپنے درمیان ہوتے دیکھیں اور وہ اس پر نکیر کرنے پر قادر بھی ہوں لیکن وہ اسے نشانۂ تنقید نہ بنائیں یعنی برائی پر نکیر نہ کریں، جب ایسا ہونے لگے تو اللہ تعالیٰ کا عذاب عام اور خاص سب لوگوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے۔''

ایک دوسری روایت میں اس فریضے کے ترک پر یہ وعید سنائی گئی ہے کہ تم عذاب الٰہی کے مستحق بن جاؤ گے، پھر تم اللہ سے دعائیں بھی مانگو گے تو قبول نہیں ہوں گی۔ (مسند احمد جلد ۳۸۸۵)

نہی عن المنکر کی اہمیت وحقیت

تمثیل نبوی سے: اس حقیقت کو آپ ﷺ نے ایک بلیغ تمثیل کے ذریعہ بھی واضح فرمایا:

آپؐ نے فرمایا ''اللہ کی حدوں میں مداہنت (نرمی اور درگزر) کرنے والے اور حدوں کو توڑنے والے کی مثال اس قوم کی سی ہے جنہوں نے ایک (دو منزلہ) کشتی میں سفر کرنے کے لئے قرعہ اندازی کی، بعض کے حصے میں بالائی منزل اور بعض کے حصے میں نچلی منزل آئی۔ نچلی منزل والے پانی کے لئے بالائی منزل پر آتے اور بالانشینوں کے پاس سے گزرتے تو وہ تکلیف محسوس کرتے، چنانچہ نچلی منزل والوں نے کلہاڑا پکڑ کر کشتی میں سوراخ کرنا شروع کر دیا تاکہ نیچے سے ہی پانی لے لیں اور اوپر جانے کی ضرورت پیش نہ آئے، سوراخ کرنے کی آواز سن کر اوپر والے آئے اور پوچھا ''تم یہ کیا کر رہے ہو؟ انہوں نے کہا ہم پانی لینے اوپر جاتے ہیں تو تم ناگواری محسوس کرتے ہو، چنانچہ ہم نیچے ہی سوراخ کرنے لگے ہیں، کیوں کہ پانی کے بغیر تو چارہ نہیں۔

(نبی کریم ﷺ نے فرمایا) اگر وہ اسی وقت ان کا ہاتھ پکڑ لیں اور سوراخ سے روک دیں تو وہ سوراخ کرنے والوں کو بھی بچالیں گے اور اپنے کو بھی بچالیں گے..... اور اپنے کو بھی ہلاک کریں گے۔ (بخاری باب القرعۃ فی المشکلات وکتاب الشرکۃ الشھادات)

اس مثال سے واضح ہوتا ہے کہ معاشرے میں ایسے لوگوں کا وجود نہایت ضروری ہے، جو نہ صرف منکرات سے باز رہنے والے ہوں بلکہ دوسروں کو بھی ان کے ارتکاب سے روکتے ہوں اور منکرات سے مفاہمت یا مداہنت کرنے والے نہ ہوں، ورنہ برائی سے مفاہمت یا اس کے معاملے میں مداہنت غضب الٰہی کو دعوت دینے کے مترادف ہے اعاذنا اللہ منہ (تفسیر أحسن البیان ۳۱۸۔۳۱۹)

(.....جاری)

☆☆☆

اسلامی تعلیمات

قانونِ میراث اور اسلام

کلیم اللہ العمری المدنی

hskpbt.2009@gmail.com

اسلام کا نظام میراث درحقیقت عدل وانصاف پر مبنی ہے, اور اعتدال پر قائم ہے, دور جاہلیت میں عورتوں کو بالکل ہی محروم رکھا جاتا تھا اور اسے توجہ کے قابل نہیں سمجھا جاتا تھا, وراثت میں انہی لوگوں کو حق دیا جاتا تھا جو جنگ کے میدان میں اپنی قوت وطاقت کے جوہر دکھا سکیں, اور شہ سواری میں اپنا کمال دکھا سکھیں, اپنی قوت کے ذریعہ مقابل کو گرا سکیں, دوسری طرف اہل مغرب نے مساوات کا نعرہ بلند کیا, مرد اور عورت کے لئے یکساں حقوق دینے کا پرزور مطالبہ کیا, اور اسلام کے نظام کو ظلم سے تعبیر کیا, ہر میدان میں عورت کو مرد کے شانہ بشانہ کھڑا کر اسے کھلونا بنادیا, مردوں کے جذبات وخواہشات کی تسکین کا ذریعہ قرار دیا, خاندانی نظام کو پامال کیا, مقدس رشتوں کی دھجیاں اڑائیں, یہاں تک کہ ماں اور بیٹے کے مقدس رشتہ کو مجروح کیا, انہیں نکاح کے بندھن میں دیکھ کر غیرت بھی نہ جاگی, بلکہ اسے ذاتی حق سمجھ کر تماشائیوں کی صف میں کھڑے رہنے کو عافیت سمجھا۔ ایسی تہذیب پر ہزار بار لعنت ہو, سکون وراحت صرف اور صرف اسلام کے آغوش میں ہی ہے, اسلام نے عورت کو گھر کی ملکہ بنایا, بلکہ ماں کے مقام کو اس قدر بلند کیا کہ دنیا اس مرتبہ کو دیکھتی رہ گئی, ارشاد نبوی ﷺ ہے, الجنة تحت اقدام الامهات ، جنت ماں کے قدموں کے نیچے ہے۔ (مسند الشہاب للقضاعی,۱۱۹) نیز مرد کو قوام اور نگران بنایا، کمانے اور کھلانے پلانے کی کوئی ذمہ داری عورت پر نہیں رکھی گئی، ہر لحاظ سے مرد کو عورت کا کفیل قرار دے کر عورتوں پر عظیم احسان کیا, **قال الله تعالى "الرجال قوامون على النساء بما فضل الله بعضهم على بعض وبما أنفقوا من أموالهم"** (النساء۳۴) ترجمہ : مرد عورتوں پر حاکم ہیں اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے اور اس وجہ سے کہ مردوں نے اپنے مال خرچ کئے ہیں۔ آیت کریمہ میں مرد کی قوامیت و حاکمیت کی دو وجہیں بیان کی گئی ہیں۔

۱) وہبی صلاحیت جو مردانہ قوت وصلاحیت ہے جس میں مرد عورت سے خلقی طور پر ممتاز ہے۔

۲) کسبی، جس کا مکلّف شریعت نے مرد کو بنایا ہے کہ وہ عورت کی مالی ضرورت کو پورا کرے جیسے رہائش نان ونفقہ وغیرہ۔

قبل از اسلام یعنی دور جاہلیت میں میراث کی تقسیم کی بنیاد نسب اور سبب پر منحصر تھے۔

۱۔ توارث بالنسب کا مطلب یہ تھا، جو لوگ میت کے قرابت داروں میں سے/قریبی رشتہ دار جن میں دشمنوں اور حریفوں سے جنگ وجدال کی صلاحیت ہوتی وہی لوگ میراث پر قبضہ کر لیتے، جیسے بیٹا وغیرہ، اگر بیٹا نہ ہوتا تو عصبات میں جو قریبی اولیاء ہوتے انہیں مال موروث مل جاتا جیسے بھائی اور چچا وغیرہ۔ عورتوں اور بوڑھوں، ضعیفوں کا وراثت میں کوئی حق نہ ہوتا۔ نیز سبب کی بنیاد پر ترکہ ملتا تھا مثلاً متبنی (لے پالک) کا وراثت میں وہی درجہ تھا جو حقیقی (صلبی) بیٹے کا ہوتا تھا۔

لے پالک حقیقی اولاد کی طرح سارے حقوق پاتا تھا، یہاں تک کہ لے پالک کی وفات یا طلاق دینے پر اس کی بیوی سے نکاح کو حرام قرار دیتے تھے، جس طرح حقیقی بہو سے سسر کا نکاح حرام ہے اسی طرح متبنی کی بیوہ یا مطلقہ سے نکاح کو بھی حرام قرار دیتے۔

۲۔ توارث بالسبب میں توراث بالحلف اور معاہدہ بھی شامل تھا یعنی دو قبیلے آپس میں معاہدہ کر لیتے اور کہتے کہ دمـــــی

دمک،ارثی ارثک ،ھدمی ھدمک،ثاری ثارک ،مالی مالک۔۔۔یعنی میرا خون تمہارا خون ہے،میری وراثت حقیقت میں تمہاری وراثت ہے، میری شکست تمہاری شکست ہوگی،میرا انتقام لینا تمہارے انتقام لینے کی طرح ہے ، میرا معاف کرنا تمہارے معاف کرنے کے برابر ہے،میرا مال حقیقت میں تمہارا ہی مال ہے ۔مادی اور معنوی تعاون کی بنیادیں یہی تھیں،انہی بنیادوں پر عرب قبیلے قائم تھے۔

زمانہ جاہلیت میں بچوں اور عورتوں کو یہ کہہ کر وراثت سے محروم کرتے تھے کہ یہ لوگ نہ جنگ کر سکتے ہیں اور نہ ہی شہ سواری کے قابل ہیں،اس لئے ان لوگوں کو کوئی حق نہیں دیا جاتا تھا، اسلام نے جن احکامات میں بتدریج تبدیلیاں کی،ان میں سے میراث کا قانون بھی ہے، لے پالک کی شرعی حیثیت بتائی گئی، کہ وہ تمہاری حقیقی اولاد نہیں ہیں،(الاحزاب،۴)ارشاد ربانی ہے، اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ج فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا اٰبَآئَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ وَمَوَالِيْكُمْ ترجمہ. انہیں ان کے باپ کے ناموں سے پکارو، یہ اللہ کے نزدیک زیادہ ٹھیک ہے، پھر اگر تمہیں ان کے باپ معلوم نہ ہوں تو دین میں تمہارے بھائی ہیں ،اور تمہارے دوست ہیں، (الاحزاب،۵)

اسلام نے حقوق کی پاس داری کی، ہر شخص کو اس کا صحیح حق دیا، ہر حقدار کو اس کے مناسب حق سے متعارف کرایا، نظامِ میراث عدل وانصاف پر مبنی ہے اور عین فطرت کے مطابق ہے،عربوں کے خود ساختہ نظام میراث کو باطل قرار دیا، دور جاہلیت نے حق وراثت کے لئے قوت،طاقت اور شہ سواری کو تسلیم کیا تو اسلام نے کمزوروں اور ضعیفوں کی مکمل رعایت کی ،مردوں اور عورتوں کے حقِ ملکیت کو تسلیم کیا،ارشاد فرمایا،وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ وَاسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا (سورۃ النساء، ۳۲)ترجمہ . اور جس چیز میں اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے اُس کی ہوس مت کرو۔مردوں کو اُن کاموں کا ثواب ہے جو اُنہوں نے کئے اور عورتوں کو اُن کاموں کا ثواب ہے جو اُنہوں نے کئے اور اللہ سے اُس کا فضل (وکرم) مانگتے رہو کچھ شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز سے واقف ہے۔اور جو مال ماں باپ اور رشتہ دار چھوڑ مریں تو (حقداروں میں تقسیم کر دو کہ) ہم نے ہر ایک کے حقدار مقرر کر دیئے ہیں اور جن لوگوں سے تم عہد کر چکے ہو اُن کو بھی اُن کا حصہ دو بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز کے سامنے ہے۔نبی کریم ﷺ نے والدین کو یہ ہدایت بھی دی کہ اپنے وارثوں کو خوشحال چھوڑ جائیں یہ بہتر ہے کہ وہ تمہارے بعد لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے پھریں،(بخاری ومسلم)

علم میراث سے متعلق بعض ضروری وضاحتیں درج ذیل ہیں،

۱۔علم میراث: فقہ وحساب کے وہ اصول جاننا جن کے ذریعہ ترکہ میں ہر وارث کا حصہ معلوم کیا جائے۔

۲۔غرض وغایت: ترکہ،وارثین میت اور ان کے حصے ہیں۔

۳۔شرعی حیثیت:علم میراث کتاب وسنت اور اجماع سے ثابت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا،يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ وَلِاَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنْ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ " فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلَدٌ" وَّوَرِثَهٗٓ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ فَاِنْ كَانَ لَهٗٓ اِخْوَةٌ" فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ مِنْ م بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ لَا تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا (سورۃ النساء، ۱۱)ترجمہ . اللہ تمہاری اولاد کے بارے میں تمہیں ارشاد فرماتا ہے کہ ایک لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے حصے کے برابر ہے،اور اگر اولادِ میت صرف لڑکیاں ہی ہوں (یعنی دو یا) دو سے زیادہ تو کُل ترکے میں اُن کا دو تہائی اور اگر صرف ایک لڑکی ہو تو اُس کا حصہ نصف۔اور میت کے ماں باپ کا یعنی دونوں میں سے ہر ایک کا ترکے میں چھٹا حصہ بشرطیکہ میت کے اولاد ہو اور اگر اولاد نہ ہو اور صرف ماں باپ ہی اُس کے وارث ہوں تو ایک تہائی ماں کا حصہ اور اگر میت کے بھائی بھی ہوں تو ماں کا چھٹا حصہ (اور یہ تقسیم ترکہ میت

کی) وصیت (کی تعمیل) کے بعد جو اُس نے کی ہو، یا قرض کے (ادا ہونے کے بعد جو اُس کے ذمے ہو عمل میں آئے گی)۔ تم کو معلوم نہیں کہ تمہارے باپ دادوں اور بیٹوں پوتوں میں سے فائدے کے لحاظ سے کون تم سے زیادہ قریب ہے یہ حصے اللہ کے مقرر کئے ہوئے ہیں اور اللہ سب کچھ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، **الحقوا الفرائض باهلها فما بقى فهو لاولى رجل ذكر** (بخاری، ۶۷۳۲، مسلم ۱۶۱۵) یعنی وراثت کے مقررہ حصے ان کے حقداروں کو دیدو، پھر جو بچ جائے وہ میت کے سب سے زیادہ قریبی مرد کے لئے ہے۔

۴۔اجماع امت۔ امت مسلمہ کا اتفاق ہے کہ اسلام کا قانونِ وراثت عدل وانصاف پر مبنی ہے، ہر وارث کو اس کا شرعی حق ملنا چاہئے۔ نیز امت مسلمہ کا یہ اجماع ہے کہ اس علم کو سیکھنا فرض کفایہ ہے۔

۵۔علم میراث کی ضرورت واہمیت۔

یہ علم بہ نسبت دیگر علوم شرعیہ کے بہت مختلف ہے، مرتبہ کے اعتبار سے اعلیٰ وافضل ہے، شریعت نے اسے نصفِ دین قرار دیا، اس لئے کہ اس علم کا تعلق مورث کی وفات کے بعد سے شروع ہوتا ہے، گویا نصف علم کا تعلق زندگی سے اور باقی نصف کا تعلق موت کے بعد سے ہے، جیسا کہ حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ علم میراث سیکھ لو، اور لوگوں کو بھی سکھاؤ، اس لئے کہ یہ آدھا علم ہے، اور یہ علم سب سے پہلے بھلایا جائے گا، اور میری امت سے اٹھالیا جائے گا۔ (سنن ابن ماجہ۔۲۸۱۹)

حضرت عمر فاروقؓ سے موقوفا روایت ہے کہ علم فرائض سیکھ لو، اس لئے کہ وہ علم تمہارے دین سے ہے، (الدر المنثور فی التفسیر بالماثور، ۲/۴۴۹) حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ اگر تم میراث فرمان الٰہی کے مطابق نہیں لوگے تو دنیا میں فتنہ اور بڑا فساد پیدا ہوگا۔ (تفسیر طبری، ۱۱/۲۹۶)

احکامِ میراث اسلامی شریعت کا اہم ترین حصہ ہیں، قرآن کریم کی میں بڑی صراحت، وضاحت اور قطعیت کے ساتھ میراث کے احکام ومسائل اور شرعی وارثین کے حصص بیان کئے گئے ہیں اور ان احکام کی اہمیت اور قطعیت کو بیان کرنے کے لئے ''فَرِيْضَةً مِّنَ اللهِ'' (یہ حصے اللہ کی طرف سے مقرر کردہ ہیں) وصیة من الله (اللہ کی طرف سے تاکیدی حکم) تلک حدود الله (یہ اللہ کی حدیں ہیں) فرما کر اس علم کی اہمیت کو واضح کردیا۔ (سورۂ نساء:۱۱)

۶۔موانع وراثت۔ وراثت کی تقسیم سے رکاوٹ بننے والی تین چیزیں ہیں۔

۱) قتل، جس قتل کی وجہ سے قصاص یا دیت یا کفارہ لازم آئے۔ ۲) اختلافِ مذہب۔ مسلم اور غیر مسلم ایک دوسرے کے وارث نہیں بنتے۔

۳) غلامی۔ غلام خود نہ وارث ہوسکتا ہے اور نہ ہی کوئی اس کا وارث بن سکتا ہے بلکہ اس کا مال آزاد کرنے والے آقا (الولاء لمن اعتق) کے لئے ہے

۷۔شرعی حصے کل چھ ہیں۔

۱۔آدھا ۱/۲ ۲۔چوتھائی ۱/۴ ۳) آٹھواں حصہ۔ ۱/۸ ۴) دوتہائی۔ ۲/۳ ۵) ایک تہائی ۔۱/۳ ۶) چھٹا حصہ۔۱/۶

۸۔اصحاب فرائض۔ وہ لوگ جن کے حصے کتاب وسنت سے ثابت ہیں وہ بارہ ہیں، مردوں میں سے چار اور عورتوں میں سے آٹھ ہیں۔ مردوں میں سے باپ، شوہر، دادا اور ماں شریک بھائی، عورتوں میں سے ماں، بیوی، بیٹی، بہن، باپ شریک بہن، پوتی، دادی اور نانی۔

۹۔وہ لوگ جو کبھی بھی وراثت سے محروم نہیں ہوتے کل چھ ہیں۔ شوہر، بیوی، ماں، باپ، بیٹا اور بیٹی۔

۱۰۔میراث پانے کے شروط تین ہیں۔

۱۔مورث کی موت حقیقۃً یا حکماً ثابت اور متحقق ہو، جیسے مورث کی موت مشاہدہ اور معاینہ سے ثابت ہو، یا مورث مفقود الخبر ہو جس کے متعلق قاضی نے اس کی وفات حکماً سنادیا ہو تو اس کی وراثت بھی تقسیم کی جائے گی۔

۲۔وارث کی زندگی مورث کی وفات کے بعد متحقق ہو، وارث کی حیات بھی معاینہ اور مشاہدہ اور دو عینی گواہوں کی گواہی سے

ثابت ہوگی ، جو وراث مورث کی وفات کے وقت جنین کی شکل میں ہو، اسے بھی حق وراثت حاصل ہوگا،

۳۔حق وراثت پانے کے لئے مورث اور وارث کے مابین رشتہ داری کے اسباب معلوم ہوں، (نکاح، نسب اور ولاء)

۱۱۔اسباب وراثت تین ہیں۔ نکاح، نسب اور ولاء

نکاح۔جیسے شوہر اور بیوی ایک دوسرے کے وارث ہوتے ہیں۔

نسب۔قریبی رشتہ دار جیسے بیٹا، بیٹی، بھائی، بہن، ماں شریک بھائی اور بہن وغیرہ۔

ولاء۔آزاد کردہ غلام کا مال آزاد کرنے والے (مرد یا عورت) کے لئے ہوتا ہے۔

میراث کے احکام۔قرآن کریم میں سورہ نساء کی تین آیتوں میں تفصیلاتِ میراث وارد ہیں،

پہلی سورہ نساء کی آیت نمبر ۱۱، ماں باپ اور بچوں کے ترکہ سے متعلق ہے، ارشاد باری ہے۔ **یوصیکم اللہ فی اولادکم ،،،،،(سورۃ النساء ، ۱۱)** اس آیت میں اولاد کا تذکرہ ہے ،اولاد میں تین طرح کی تفصیلات ہیں، کبھی صرف لڑکے، صرف لڑکیاں، اور کبھی لڑکے اور لڑکیاں ملے جلے،،، صرف لڑکے ہوں تو وہ عصبہ بن جاتے ،، بہنوں کے ساتھ ہوں تو بھی انہیں عصبہ بنا لیتے ہیں، یعنی لڑکوں کو دوگنا اور لڑکیوں کو ایک حصہ، اگر صرف لڑکیاں ہوں تو ایک ہونے کی صورت میں آدھا حصہ، دو اور دو سے زیادہ ہوں تو دو تہائی ترکہ کی وارث ہوں گی۔نیز اسی آیت میں والدین کی وراثت کی تفصیلات وارد ہے۔

دوسری آیت۔ **ولکم نصف ما ترک ازواجکم ،،، (النساء، ۱۲)** اس آیت میں میاں بیوی اور اخیافی بھائی بہنوں کی وراثت سے متعلق احکامات ہیں۔

تیسری آیت۔**یستفتونک قل اللہ یفتیکم فی الکلالۃ،،، (النساء، ۱۷۶)** اس آیت میں سگے بھائی، بہنوں کی وراثت کی تفصیلات مذکور ہیں، یعنی صرف بھائی لوگ ہوں تو تو برابری کے ساتھ عصبہ ہوں گے، اگر صرف بہنیں ہوں تو ایک کے لئے نصف، دو یا دو سے زیادہ ہوں تو دو تہائی حصے، اور اگر بھائی بہن مشترک ہوں تو بھائی کا حصہ بہن کے مقابلہ میں دوگنا ہوگا۔

میت کے ترکہ کی تقسیم سے پہلے درج ذیل ہدایات کا ملحوظ رکھنا بھی ضروری ہے۔

(۱) مرحوم کی تجہیز وتکفین کا خرچ نکالا جائے گا، البتہ اگر کوئی وارث یا قریبی رشتہ دار اس خرچ کو برداشت کرلے شرعا اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(۲) مرحوم کے ذمہ کسی کا قرض ادا ہونے سے رہ گیا ہو تو وہ قرض بھی ادا کیا جائے گا۔

۳) کسی غیر وارث کے لئے وصیت کی گئی ہو تو بقیہ ترکہ کے ایک تہائی حصہ سے وہ وصیت بھی پوری کی جائے گی۔

مذکورہ حقوق سے فارغ ہونے کے بعد وارثوں کی تفصیلات جاننے کی مکمل کوشش کی جائے گی، اور ان کے مابین ترکہ کی تقسیم عمل میں آئے گی۔

کیا اولاد والدین کی زندگی میں جائداد کی تقسیم کا مطالبہ کرسکتی ہے؟

اولاد کو شرعا یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ ماں باپ کے زندہ رہتے ہوئے ان کی جائداد میں حصوں کا مطالبہ کریں البتہ ان کی وفات کے بعد اگر کچھ مال رہ جاتا ہے تو بشکل ترکہ تقسیم ہوگا ورنہ نہیں، والدین اپنی جائداد کے مالک ہیں لہذا ان کا حسب ضرورت ومصلحت تصرف کرنا درست ہے البتہ زندگی میں جائیداد کی تقسیم کے لئے دو صورتیں ممکن ہیں ۱۔مساویانہ تقسیم ۲۔لڑکوں کو لڑکیوں کے مقابلہ میں دوگنا حصہ دینا۔ البتہ زندگی میں ہبہ کرنیکی صورت میں کسی وارث کو وراثت سے محروم کرنے کی نیت نہ ہو جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا **انما الأعمال بالنیات** (بخاری) یعنی اعمال کی قبولیت کا دارومدار نیتوں پر موقوف ہے۔

نوٹ۔ترکہ کی تقسیم کے لئے قانونِ میراث جاننے والے اہل علم واصحاب افتاء سے رجوع کیا جائے، تاکہ حقداروں کو صحیح حق مل سکے،

واللہ اعلم بالصواب وعلمہ اتم ، وصلی اللہ علی محمد وبارک وسلم تسلیما کثیرا

☆☆☆

نقد ونظر (آخری قسط)

حدیث اور محدثین کی بابت راشد شاز کا نظریہ

احمد الیاس نعمانی ندوی
nomaniilyas@yahoo.com

[گذشتہ قسط میں ہم نے تدوین حدیث کی بابت شاز صاحب کے نظریات کا جائزہ لیا تھا، آخر میں ہم نے شاز صاحب کے اس دعوے پر گفتگو شروع کی تھی کہ صحابہ سمیت قرون اولی کے مسلمان تدوین حدیث کو غلط سمجھتے تھے، اس سلسلہ میں انہوں نے جو کچھ حضرات ابوبکر وعمر کے حوالہ سے لکھا تھا اس پر تبصرہ ہم پچھلی قسط میں کر چکے ہیں، اب یہ قسط ملاحظہ ہو]

حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ تک ہی شاز صاحب محدود نہیں رہے، انہوں نے یہ بھی دعویٰ کیا ہے کہ صحابہ نے کوئی مجموعۂ حدیث تیار نہیں کیا تھا[۱]، بلکہ عہد صحابہ کے بعد ایک عرصہ تک مسلمان کتابتِ حدیث کے قائل نہ تھے[۲]۔

ان دعووں کو پڑھ کر ایسا لگتا ہے کہ شاز صاحب کو یقین ہے کہ ان کی کتابوں کو جو قارئین میسر آئیں گے ان کی اکثریت نے حدیث وتاریخ حدیث کے موضوع پر کچھ نہیں پڑھا ہوگا، لہذا انہیں جو کچھ باور کرادیا جائے گا وہ باور کرلیں گے، بظاہر یہی اطمینان ہے کہ جس کی وجہ سے وہ بہت سے ایسے دعوے بھی کردیتے ہیں جن کا تاریخی طور پر غلط ہونا ایک بدیہی حقیقت ہوتا ہے، صحابۂ کرام کے ذریعہ حدیث نبوی کے مجموعے تیار کرنا ایک ایسی تاریخی حقیقت ہے جس کا انکار صرف وہی شخص کرسکتا ہے جسے یا تو تاریخی حقائق کا علم نہ ہو یا پھر وہ اپنے نظریات کو صحیح ثابت کرنے کے لئے حق وناحق کی فکر نہ کرتا ہو۔

ڈاکٹر مصطفیٰ اعظمی نے اپنی کتاب Studies in early hadith literature میں صحابہ کے ذریعہ ترتیب دئے گئے حدیث کے ۴۸ مجموعوں کا ذکر کیا ہے[۳]، ہمارے علم کے مطابق صحابہ کی تدوینی کاوشوں کا یہ اب تک کا سب سے وسیع احاطہ ہے، ان سے پہلے بھی متعدد حضرات نے صحابہ کے ذریعہ ترتیب دیے گئے حدیث کے مجموعوں کا تذکرہ کیا ہے، لیکن ان تمام حضرات کے یہاں ان مجموعوں کی تعداد ۴۸ سے کم ہی رہی ہے۔ صحابہ کے جمع کردہ مجموعہ ہائے حدیث میں سے ہم چند کا تذکرہ ذیل میں کررہے ہیں۔

مصادر سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ نے حدیث نبوی کے کئی مجموعے ترتیب دیے ہوئے تھے، آپ کے ایک شاگرد حسن بن عمرو کا بیان ہے کہ آپ انہیں اپنے گھر لے گئے اور اپنے جمع کردہ حدیث کے کئی مجموعے دکھائے[۴]، نیز حدیث نبوی کا جو مجموعہ حضرت ابوہریرہ کے ممتاز شاگرد حضرت ہمام بن منبہ کی جانب منسوب ہوکر صحیفۂ ہمام بن منبہ کہلاتا ہے وہ درحقیقت حضرت ابوہریرہ ہی کا املا کردہ مجموعہ ہے، جسے اگرچہ آپ کے شاگرد حضرت ہمام نے تحریر کیا تھا لیکن چونکہ وہ آپ کا املا کردہ ہے اس لئے اس کی نسبت آپ کی ہی جانب ہونی چاہئے، یہ مجموعہ (یا صحیفہ) ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کی تحقیق کے ساتھ شائع ہو چکا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنی تحقیق میں اس کے دو مخطوطوں کو سامنے رکھا ہے، ڈاکٹر صاحب کا اس پر مقدمہ ان کا علمی شاہکار ہے، اور کتابت وحفاظتِ حدیث کے سلسلہ میں مستشرقین اور ان کے خوشہ چینوں کی دسیسہ کاریوں کے خلاف ایک دستاویزی حیثیت رکھتا ہے، یہ پورا صحیفہ مسند احمد میں مسند ابوہریرہ میں درج ہے، مسند

احمد کی اپنی تحقیق وتعلیق میں پچھلی صدی کے مشہور محدث ومحقق شیخ احمد محمد شاکر نے لکھا ہے کہ بعض قرائن ودلائل سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے حضرت ہمام بن منبہ کی طرح اپنے ایک اور شاگرد حضرت اعرج کو بھی مجموعۂ احادیث املا کرایا تھا[1]

اسی طرح ایک مجموعہ احادیث حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص نے بھی مرتب کیا تھا۔اور پیچھے گزر چکا ہے کہ انہوں نے یہ مجموعہ آں حضرتؐ کے حکم یا آپ کی اجازت سے مرتب کیا تھا، حدیث کی کتابوں میں عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی سند سے جتنی روایتیں بھی نقل کی جاتی ہیں وہ سب اسی صحیفہ/مجموعہ سے ماخوذ ہیں، عمرو بن شعیب آپ کے پرپوتے تھے اور اس مجموعہ کی احادیث کا درس دیا کرتے تھے، بے شمار محدثین نے ان سے اس مجموعہ کی روایات نقل کی ہیں، صرف مسند احمد میں اس مجموعہ کی سیکڑوں روایات حضرت عمرو بن شعیب کے ۴۶ شاگردوں کی روایت سے درج ہیں۔

ان کے علاوہ حضرت انس[2]، حضرت جابر[3]، حضرت عبداللہ بن عباس[4] سمیت متعدد صحابہ کے مجموعوں کا تذکرہ مصادر میں ملتا ہے، ان کے علاوہ ڈاکٹر محمود احمد غازی صاحب نے صحابۂ کرام کے چند ایسے مجموعوں کا بھی تذکرہ کیا ہے، جن کے مخطوطے آج بھی موجود ہیں، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اور حضرت جابرؓ کے مخطوطے استنبول کے کتب خانہ سعید علی پاشا میں ہیں، حضرت ابوسلمہ اشجعیؓ کا مخطوطہ استنبول ہی کے ایک کتب خانہ فیض اللہ میں ہے۔

تدوین حدیث کی بابت گفتگو طویل ہوتی چلی جارہی ہے، اس لئے اختصار کے ساتھ عرض ہے کہ صحابۂ کرام ہی کی طرح تابعین وتبع تابعین کے یہاں بھی حدیث کے مجموعے مرتب کرنے کا سلسلہ قائم رہا، ڈاکٹر مصطفیٰ اعظمی نے اپنی مذکورہ بالا کتاب میں تابعین کے زمانہ کے کم وبیش ڈھائی سو مجموعوں کا تذکرہ کیا ہے[5]، جن میں سے بعض تو بہت مشہور ومعروف ہیں، مثلاً عظیم تابعی عالم ومحدث امام شعبیؒ کی کتاب الابواب، یہ دس جلدوں پر مشتمل تھی، جس کی آخری پانچ جلدوں کے مخطوطے ترکی کے ایک کتب خانہ میں اب بھی موجود ہیں، اور ان آخری پانچ جلدوں کی تمام احادیث مصنف عبدالرزاق میں درج ہیں[6]، ہندوستان میں آسانی سے دستیاب کتابوں میں سے حجیت حدیث (از مولانا تقی عثمانی) میں تابعین وتبع تابعین کے ذریعہ ترتیب دئے گئے ۵۷ سے زائد حدیث کے مجموعوں کا تذکرہ حوالوں کے ساتھ موجود ہے، خواہش مند حضرات وہاں ان مجموعوں اور ان کے مرتبین کا تذکرہ مع حوالہ جات ملاحظہ کر سکتے ہیں۔

آمدم برسر مطلب:

اس پوری تفصیل کو ملاحظہ کرنے کے بعد قارئین بآسانی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ شاذ صاحب اور ان کے پیشروؤں نے تدوینِ حدیث کو غیر شرعی اور ناجائز وحرام ثابت کرنے کے لئے جو کچھ لکھا ہے وہ کیسا خلافِ حقیقت ہے، انہوں نے اپنے موقف کے حق میں قرآن مجید، حدیث نبوی اور عمل صحابہ وتابعین سے جو استدلال کیا ہے وہ صرف ''غلط استدال'' ہونے کا سادہ معاملہ نہیں ہے، بلکہ پچھلے صفحات کو پڑھ کر ہر عقلِ سلیم رکھنے والا شخص کہہ سکتا ہے کہ یہ وہ تحریف، دروغ گوئی اور تلبیس ہے جسے رسول اکرمؐ نے ''انتحال المبطلین'' سے تعبیر کیا ہے(ا) وہ سورۂ یونس کی آیت ۵۸۔۵۷ سے نہ جانے یہ کیسے ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ اس میں حدیثوں کے مجموعے ترتیب دینے کی صریح ممانعت تھی، حالانکہ اس میں ممانعت ونہی کا کوئی جملہ بھی استعمال نہیں ہوا ہے، اور کہیں سے کہیں تک ''جمع احادیث'' کا تذکرہ نہیں ہے، انہوں نے رسول اکرمؐ کی بابت یہ باور کرانا چاہا تھا کہ آپؐ نے جمع احادیث سے منع فرمایا تھا، ہم نے پچھلے صفحات میں اس سلسلہ میں جو کچھ تحریر اور درج کیا ہے اس سے یہ بات ثابت ہوجاتی ہے کہ آپ کی یہ ممانعت عارضی تھی، دائمی نہیں ، آپ نے تو خود اپنے فرامین کو تحریری طور پر محفوظ کرایا بھی ہے اور دوسروں کو اس کی اجازت بلکہ بسااوقات حکم بھی دیا ہے، صحابہ وتابعین کی بابت بھی انہوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی تھی کہ انہوں نے کوئی حدیث کا مجموعہ ترتیب نہیں دیا، پچھلے صفحات میں کئے گئے کلام سے اس دعوے کی بھی حقیقت واضح ہوجاتی ہے، جو کچھ قارئین نے پچھلے صفحات میں پڑھا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے

کہ صحابہ وتابعین میں سیکڑوں مجموعے حدیث کے موجود تھے۔

حدیث کی بابت شاز صاحب کا ایک اور نظریہ: شاز صاحب نے پہلے تو یہ دعویٰ کیا کہ حدیث نبوی وحی اور ماخذ دین نہیں ہے، پھر یہ دعویٰ کیا کہ حدیث کی بابت جو تدوینی کاوشیں امت میں ہوئی ہیں وہ قرآن وحدیث کی واضح ممانعت کی مخالفت ہیں، اور صحابہ وتابعین کے عہد میں اس طرح کی کوئی کاوش نہیں ہوئی، ان دونوں دعووں پر ہم پچھلے صفحات میں کلام کر چکے ہیں، اب ان کے ایک تیسرے دعوے کے تجزیہ ومطالعہ کا وقت آیا ہے۔

اپنے ان مذکورہ بالا دو دعووں کے بعد شاز صاحب نے یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ حدیث کے موجودہ مجموعے بالکل ناقابل اعتبار ہیں، اور ان میں محدثین وفقہا نے بے دریغ حدیثیں خود گھڑ گھڑ کر داخل کر دی ہیں، انہوں نے اس سلسلے میں جو روش اختیار کی ہے اسے پڑھ کر ہر صاحب عقل حیرت میں رہ جاتا ہے، مثلاً نماز کے ارکان کی ادائیگی کی بابت تنوع (یا اختلاف) پر دلالت کرنے والی جو سیکڑوں بلکہ ہزاروں حدیثیں ذخیرۂ حدیث میں پائی جاتی ہیں ان سب کو انہوں نے بیک جنبش قلم موضوع قرار دے دیا ہے، اور یہی نہیں عظیم ائمۂ حدیث وفقہ پر یہ بہتان بھی لگایا ہے کہ انہوں نے اپنے مسالک ثابت کرنے کے لئے یہ حدیثیں وضع کی ہیں، اور بہت آسانی سے یہ بھی فیصلہ سنا دیا ہے کہ صحابۂ کرام کے درمیان نماز کے طریقۂ ادائیگی کی بابت کوئی اختلافِ رائے ہی نہیں پایا جا سکتا تھا [۲]، انہوں نے واضح الفاظ میں لکھا ہے کہ: ''تاریخی اعتبار سے اس خیال کو ایک مفروضہ سے زیادہ اہمیت نہیں کہ نماز جیسی متواترہ اور مکشوفہ سنت میں صحابہ کرام کے درمیان کبھی کوئی اختلاف پایا گیا ہو[۳]'' پیچھے ہم دیکھ کر کے آئے ہیں کہ اگر حدیث کی کتابوں میں درج کسی روایت سے شاز صاحب کو استدلال کرنا ہوتا ہے تو وہ چاہے سند کے اعتبار سے کیسی ہی کمزور کیوں نہ ہو اس سے استدلال کر لیتے ہیں، لیکن وہ ہزاروں احادیث سے ثابت ہونے والے نماز کے طریقۂ ادائیگی کے تنوع یا اختلاف کو تسلیم نہیں کرتے، اسے سوائے ''اتباع ہوئی'' کے اور کیا کہا جا سکتا ہے، ان کا معاملہ عجیب ہے، اپنی تحریروں میں انہوں نے بہت سی ایسی روایات سے استدلال کیا ہے جن کے راوی ائمۂ جرح وتعدیل کے نزدیک متفقہ طور پر لائق اعتبار واستناد نہیں ہیں، (جیسا کہ ہم اوپر حضرت ابوبکر کی ایک روایت کے سلسلے میں دیکھ آئے ہیں) اور اگر ان کی خواہش ہوتی ہے تو وہ سیکڑوں صحیح حدیثوں سے ثابت نماز کے اندر پائے جانے والے اختلاف یا تنوع کا انکار کر دیتے ہیں، افکارِ شاز کی حیثیت واضح کرنے کے لئے شاید یہ اکیلی ہی ایک مثال کافی ہے۔

وضع احادیث کی تہمت لگانے کے سلسلے میں انہوں نے حد درجہ فراخدلی کا مظاہرہ کیا ہے، نماز کی بابت ان کے اس محولہ بالا کلام کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ وہ حدیث وفقہ کے تمام ائمہ کو واضعانِ حدیث ہی قرار دینا چاہتے ہیں، مثلاً نماز کے اختلافات پر دلالت کرنے والی تمام روایتوں کو انہوں نے ''محدثین اور راویوں کی ذہنی اپج'' قرار دیا ہے[۴] اور ان حضرات کی بابت لکھا ہے کہ انہوں نے ''مسلمانوں میں غیر ضروری فروعی مباحث کو فروغ دینے کے لئے روایتوں کے Fabrication میں غیر معمولی زرخیز ذہن کا ثبوت دیا ہے'' [۵] اس بہتان اور تہمت کی سنگینی ہر شخص سمجھ سکتا ہے، مسلمانوں کی تاریخ کے تمام عظیم محدثین اور فقہا (بلا استثنا) ان اختلافات (یا صحیح الفاظ میں اس تنوع) کو ثابت مانتے ہیں، اس سے متعلق روایات نقل کرتے ہیں، اور کوئی ایک بھی حدیث وفقہ کی کتاب ان کے تذکرہ سے خالی نہیں ہے، یعنی شاز صاحب کے نزدیک یہ سب عظیم ائمہ واضعانِ حدیث ہیں۔

وضع احادیث کی تہمت میں وہ کس قدر بے باک اور نڈر واقع ہوئے ہیں، اس کا ایک نمونہ ہم پچھلے صفحات میں دیکھ آئے ہیں، قارئین کو یاد ہوگا کہ انہوں نے حضرت زبیر کی طرف یہ قول منسوب کیا تھا کہ لوگوں نے ایک ارشاد نبوی میں اپنی جانب سے "متعمدا" کا لفظ بڑھا لیا ہے، جبکہ میں نے رسول اللہ کی زبان سے یہ لفظ نہیں سنا، ہم نے پیچھے لکھا تھا کہ حضرت زبیر کی جانب منسوب اس کلام کا حوالہ ہم نے شاز صاحب سے دریافت کیا تو

انہوں نے کوئی حوالہ فراہم نہیں کیا، ہم نے وہیں پر یہ بھی لکھا تھا کہ ستر سے زائد صحابۂ کرام سے متعمدا کا لفظ اس حدیث میں مروی ہے، یعنی شاز صاحب نے اس روایت کے ذریعہ ستر صحابہ پر دروغ گوئی اور وضع حدیث کا الزام لگا دیا ہے۔

مشہور تابعی امام ومحدث امام محمد بن مسلم بن شہاب زہریؒ (جو ابن شہاب زہریؒ کے نام سے مشہور ہیں) پر بھی شاز صاحب نے وہ پورا تبرا پڑھا ہے جو ابوریہ اور تمنا عمادی جیسے پچھلی صدی کے منکرینِ حدیث کے یہاں پایا جاتا ہے، انہوں نے علم حدیث کے اس امامِ عالی مقام پر سخت و بے جا تنقیدیں کی ہیں، اور حسب معمول سچ کی حدود میں رہنے کو اپنے لئے لازمی نہیں سمجھا ہے، امام زہریؒ کی بابت ان کی واقفیت کا عالم تو یہ ہے کہ انہوں نے ادراک زوال امت میں بیسیوں مرتبہ ان کا تذکرہ کیا ہے اور ہر جگہ ''ابن شہاب زہری کو'' شہاب زہری'' لکھا ہے، لیکن ''بہ ایں ہمہ علم وواقفیت'' وہ اپنے آپ کو اس عظیم محدث پر ہر طرح کا فیصلہ سنانے کا مجاز سمجھتے ہیں، اور دروغ گوئی و بہتان تراشی سے اجتناب کی کوئی ضرورت بھی نہیں سمجھتے۔

امام زہریؒ کے سلسلے میں شاز صاحب کی دروغ گوئی کا ایک ہی نمونہ ان کی پوری تنقید کا حال بتا دیتا ہے، انہوں نے دعویٰ کیا ہے کہ وہ تمام روایات جن میں مسئلۂ خلافت کی بابت صحابۂ کرام کی باہمی مناقشت کا بیان ہے، یا جن میں اصحاب رسول کی طرف کسی نامناسب بات کی نسبت ہے وہ سب کی سب '' شہاب زہریؒ'' سے ہی منقول ہیں!۔ یہ آخری درجہ کا جھوٹ اور بہتان ہے صحابۂ کرام کے درمیان مسئلۂ خلافت کی بنیاد پر ہونے والے اختلافات ایک تاریخی حقیقت ہیں اور بے شمار راویوں کے نقل کردہ ہیں، یہ کہنا کہ وہ سب صرف اور صرف ''شہاب زہری'' کے ہی نقل کردہ ہیں اور گویا کہ ان کے وضع کردہ ہیں بالکل غلط اور بے بنیاد بہتان تراشی ہے، خلافت کے سلسلے میں صحابہ کرام کے مابین پہلی مناقشت غالباً وہی تھی جو سقیفۂ بنی ساعدہ میں آنحضرتؐ کے انتقال کے بعد ہوئی تھی، اور اس مناقشت کی جو روایت صحیح بخاری وغیرہ میں درج ہے وہ بھی امام زہریؒ کی نقل کردہ نہیں ہے، اس کے علاوہ اور بھی بے شمار ایسی روایتیں ہیں جن میں صحابہ کے درمیان اختلافات کا تذکرہ ہے اور وہ امام زہریؒ کی نقل کردہ نہیں ہیں، بلکہ اہل علم جانتے ہیں کہ ایسی اکثر روایات کی سند میں امام زہریؒ کا نام نہیں ہے، یہ صرف ایک بہتان تراشی ہے اور کچھ نہیں۔

حاصل کلام: گزشتہ صفحات میں حدیث نبوی کی بابت راشد شاز کے نظریات پر جو کلام کیا گیا ہے امید ہے اس کو پڑھ کر قارئین اس نتیجہ تک پہنچ گئے ہوں گے کہ:

۱۔ شاز صاحب حدیث نبوی کی اس آئینی وتشریعی حیثیت کے منکر ہیں جو قطعی قرآنی دلائل سے ثابت ہے۔

۲۔ وہ تدوین حدیث کی اس خدمت کو جو صحابہ، تابعین وتبع تابعین سمیت امت کے اہل علم نے انجام دی اللہ ورسول کے حکم کی خلاف ورزی قرار دیتے ہیں۔

امید یہ بھی ہے کہ جو کچھ آخری تین قسطوں میں تحریر کیا گیا ہے، اس کو پڑھ کر ہر صاحبِ انصاف اس نتیجہ تک پہنچے گا کہ حدیث نبوی دین کا دوسرا ماخذ ہے، اور جو لوگ صرف قرآن کو ہی ماخذ دین مانتے ہیں، اور حدیثِ نبوی کو یہ حیثیت نہیں دیتے، قرآنی دلائل ہی ان کے اس زعم کو غلط، باطل اور گمراہی قرار دیتے ہیں۔ نیز تدوین حدیث کی بابت جو بے بنیاد دعوے شاز صاحب نے کیے ہیں ان کی غلطی بھی قارئین کے لیے عیاں ہوگئی ہوگی۔

اس سلسلہ میں ایک بات اور بھی توجہ طلب ہے: شاز صاحب کے دعووں اور استدلالات پر جو گفتگو کی گئی ہے اس سے یہ بات بھی بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ ان کا معاملہ صرف غلط استدلال کا نہیں ہے، ہمیں ان کے کلام میں جا بجا دروغ گوئی اور تلبیس کے ایسے نمونے بھی ملتے ہیں کہ جن کو پڑھ کر عقل سلیم سے بہرہ ور ہر شخص یہ سمجھ سکتا ہے کہ انہوں نے اپنے دعووں کو سچ ثابت کرنے کے لیے دلائل کے ''Fabrication میں غیر معمولی زرخیز ذہن کا ثبوت دیا ہے''، اور ایسا آدمی غلط فہمی کا شکار نہیں غلط روی کا خوگر ہوتا ہے۔

☆☆☆

نقد ونظر

راشد شاذاور واقعہ معراج

معراج کے سلسلہ میں راشد شاذ کے افکار کا تنقیدی جائزہ

محمد غزالی ندوی
mohammadghazali@hotmail.com

مسجد اقصیٰ سے مسلمانوں کو جوڑنے والی ایک اہم چیز اسراء ومعراج کا واقعہ ہے، لیکن شاذ صاحب نے اس کو محض ایک مفروضہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، پچھلے شمارے میں ہم نے لکھا تھا کہ انہیں مسجد اقصیٰ کا قبلہ اولیٰ ہونا بھی تسلیم نہیں ہے، اس طرح کی باتوں سے شاذ صاحب کا مقصد خواہ کچھ بھی ہو لیکن ایسے نظریات کا محاکمہ بے حد ضروری ہے اس لیے کہ ان کو ماننے سے وہ تمام تاریخی بنیادیں مشکوک ہو جاتی ہیں جن کی وجہ سے مسلمانوں کو مسجد اقصیٰ سے تعلق ہے۔

واقعہ معراج کو غلط ثابت کرنے کے لیے شاذ صاحب نے کئی مغالطے دئے ہیں۔

معراج کے سلسلہ میں پہلا مغالطہ:

شاذ صاحب نے پہلا مغالطہ یہ دیا ہے کہ آیت اسراء میں سفر معراج نہیں بلکہ سفر ہجرت کا تذکرہ ہے اور مسجد اقصیٰ سے مراد مسجد نبوی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''یہ مسجد اقصیٰ کیا ہے؟ قرآن کہتا ہے: ﴿سبحان الذي أسرى بعبده ليلا من المسجد الحرام الى المسجد الأقصىٰ الذي باركنا حوله﴾ (الاسراء) یعنی حرم مکی سے دور ایک ایسی مسجد کی بشارت جس کے ماحول کو اللہ نے تقدس عطا کر دیا، کعبہ مشرفہ کے بعد مسلمانوں کے نزدیک جو مسجد سب سے محترم ہے وہ یہی مسجد اقصیٰ ہے جسے آج ہم مسجد نبوی کے نام سے جانتے ہیں اور جسے ہجرت کے بعد مسلمانوں کے دوسرے مرکز کی حیثیت حاصل ہوگئی تھی لیکن ہمارے اکثر مفسرین ﴿بارکنا حولہ﴾ پر اہل یہود کے بیت المقدس کا گمان کر بیٹھے اور راتوں رات کے اس پوشیدہ سفر ہجرت پر معراج کا گمان کرنے لگے''۔ (راشد شاذ/ادراک زوال امت/نئی دہلی ۲۰۰۵/ج ۱، ص/۱۵۱)

ازالہ: کیا واقعۂ آیت اسراء کو سفر ہجرت پر محمول کیا جاسکتا ہے؟ اس کا جواب پانے کے لئے صرف لفظ "لیلاً" پر غور کر لینا کافی ہے ﴿سبحان الذي أسرى بعبده ليلا من المسجد الحرام الى المسجد الأقصىٰ الذي باركنا حوله﴾ (الاسراء، آیت نمبر/) میں 'لیلاً' کا لفظ واضح طور پر بتا رہا ہے کہ جس سفر کا واقعہ اس آیت میں مذکور ہے وہ سفر ایک ہی رات میں مکمل ہوا ہے بلکہ اگر عربی قواعد پر گہری نظر ہو تو لیلاً کا نکرہ ہونا صاف اشارہ کر رہا ہے کہ یہ سفر رات کے کسی مختصر سے حصہ میں ہی مکمل ہو گیا ہے، اگر گہرائی میں جانے کی کسی میں صلاحیت نہ بھی ہو تو بھی لیلاً کا لفظ بتا رہا ہے کہ ایک ہی رات میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک یہ سفر ہوا ہے، اس حقیقت کو سامنے رکھتے ہوئے سفر ہجرت پر غور کیا جائے کہ کیا وہ ایک رات میں مکمل ہوا ہے۔

اس سلسلہ میں تاریخ اور احادیث وآثار کی گواہی پیش کرنے کے بجائے ہم یہاں شاذ صاحب ہی کی ایک عبارت نقل کرتے ہیں جس سے اس بات کا اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ سفر ہجرت میں کتنے دن صرف ہوئے، وہ لکھتے ہیں: ''ہجرت کے لیے مناسب انتظام، کفار قریش سے بچ نکلنے کا اہتمام، غار ثور میں اس وقت

تک قیام جب تک قریش مایوس ہوکر بیٹھ نہ جائیں اور اس دوران جاسوسوں کے ذریعہ مکہ کی تازہ ترین صورت حال اور کفار مکہ کی سرگرمیوں کی معلومات یہ سب کچھ وقت کے رسول کو خود ہی انجام دینا تھا۔ حالانکہ جس خدا کے لیے یہ ممکن تھا کہ وہ اپنے رسول کو قتل کی سازشوں سے باخبر کردے اور اسے مکہ سے ہجرت کا حکم دے اس کے لیے یہ سب کچھ مشکل نہ تھا کہ وہ اس کی ہجرت کے لیے آسمانی انتظام کردیتا، لیکن چونکہ اسے آخری انقلابی ماڈل کو قیامت تک کے لیے اسباب وعلل کی دنیا میں انقلاب کے لیے کوشاں نائبین کے لیے نمونہ بنانا تھا اس لیے پوری انقلابی تحریک کو اسباب وعلل کی دنیا کے تابع کردیا گیا''۔ (راشد شاز۔ اسلامی انقلاب کا طریقۂ کار، ص ۱۴۔۱۵)

سوچا جائے کہ جب خود شاز صاحب کے مطابق ہجرت کے لیے کوئی خاص آسمانی انتظام نہ ہوا بلکہ اسے اسباب وعلل کی دنیا کے تابع کردیا گیا تو ایسی صورت میں مکہ سے مدینہ کا تقریباً ۴۵۰ کیلو میٹر کا سفر کتنے دنوں میں طے ہوگا؟۔ صرف سفر ہی کے بارے میں دس پندرہ دن سے کم کا تصور کس طرح ہوسکتا ہے؟ اس میں ان ایام کو بھی شامل کرلیجئے جو آپ ﷺ نے غار ثور میں چھپنے کے دوران گزارے تو مدت اور بڑھ جاتی ہے۔ کہ بقول شاز صاحب ''غار ثور میں اس وقت تک قیام جب تک قریش مایوس ہوکر بیٹھ نہ جائیں اور اس دوران جاسوسوں کے ذریعہ مکہ کی تازہ ترین صورت حال اور کفار مکہ کی سرگرمیوں کی معلومات یہ سب کچھ وقت کے رسول کو خود ہی انجام دینا تھا''۔

جب خود شاز صاحب کی مذکورہ بالا عبارت سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ سفر ہجرت کئی دنوں میں پیش آیا ہے تو یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ ﴿سبحان الذي اسریٰ بعبده لیلا﴾ سے مراد سفر ہجرت نہیں لے سکتے، اس لیے کہ لیلاً کا لفظ بتا رہا ہے کہ آیت میں مذکور سفر ایک رات بلکہ اس کے مختصر سے حصے میں ہوا ہے۔ اس طرح ﴿الیٰ المسجد الأقصیٰ﴾ سے مراد مسجد نبوی لینا خود باطل ہوگیا۔

اس پوری بحث میں جو بات قابل توجہ ہے وہ راشد شاذ صاحب کا تناقض ہے، ایک طرف وہ ۴۵۰ کیلو میٹر کے سفر ہجرت کو راتوں رات بتا کر **سبحان الذي أسریٰ بعبده لیلا** کو اس پر فٹ کرنے کی کوشش کرتے ہیں، دوسری طرف ان کی مذکورہ تحریر سے پتہ چلتا ہے کہ سفر ہجرت ایک رات میں نہیں ہوا بلکہ اس میں کئی دن لگے۔

ان کی متناقض تحریروں اور استدلالات سے ہٹ کر بھی اگر غور کیا جائے تو چودہ سو سالہ مسلمانوں کے علمی ورثہ میں اس صدی سے پہلے آپ ایک شخص بھی ایسا نہ پائیں گے جس نے مسجد اقصیٰ سے مراد مسجد نبوی کو لیا ہو۔ اگر مسجد اقصیٰ سے مراد مسجد نبوی ہی ہے تو اس صدی میں پیدا ہونے والے دو چار لوگوں سے پہلے چودہ سو سالوں میں تمام مسلمانوں سے اس کا مطلب کیوں مخفی رہا؟ کیا سب منافق ہوگئے تھے یا سب جاہل ہوگئے تھے؟ آخر چودہ سو سالوں کے بعد دو چار لوگوں پر ہی مسجد اقصیٰ کے صحیح معنی کیوں الہام ہوئے؟

واقعۂ معراج کے سلسلہ میں دوسرا مغالطہ

شاز صاحب لکھتے ہیں: ''معراج کی تفصیلات میں جتنے مختلف اور متضاد قصص تفسیری کتب میں نقل ہوئے ہیں ان کا ایک قابل ذکر حصہ یہودی راویوں کی دین ہے'' (راشد شاز۔ ادراک زوال امت۔ نئی دہلی۔ ۲۰۰۵ ج ۱، ص ۱۵۱)

ازالہ: شاز صاحب نے مذکورہ بالا عبارت میں یہ حربہ استعمال کیا ہے کہ معراج کی تفصیلات کا ایک قابل ذکر حصہ یہودی راویوں کی دین ہے، ظاہر ہے کہ یہودی راویوں کا تذکرہ کرکے معراج اور اس کی تفصیلات کو وہ مشکوک بنانا چاہتے ہیں، حالانکہ یہ وہی راشد شاز صاحب ہیں جو یہودیوں اور عیسائیوں کو انبیاء کے سچے متبعین، ایمانی طائفے، قدسی نفوس، سپردہ نفوس، پاکیزہ روحوں اور نہ جانے کن کن القاب سے یاد کرتے ہیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب وہ سچے متبعین، قدسی نفوس، سپردہ نفوس اور پاکیزہ روحیں ہیں تو پھر واقعۂ معراج کے کسی راوی پر یہودیت کا طعنہ کس کر واقعۂ معراج کو غلط ثابت کرنے کی کوشش کیوں؟

رہا شاز صاحب کے اعتراض کا تحقیقی جواب تو حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے اندھیرے میں تیر چلایا ہے اور J.horowitz جیسے مستشرقین کے قول کو دہرا دیا ہے، جو بے تحقیق بات کرنے کو ہی علم و تحقیق کی معراج سمجھتے ہیں۔ J.horowitz کی تحریر اور اس کا رد تو ہم پانچویں مغالطے کے ضمن میں ذکر کریں گے، یہاں صرف اتنا عرض کرتے ہیں کہ شاز صاحب نے لکھ تو دیا ہے کہ معراج کے واقعات کا ایک ''قابل ذکر حصہ یہودی راویوں کی دین ہے'' لیکن اس کی کوئی تفصیل پیش نہیں کی ہے، اپنے اس دعویٰ کی دلیل پیش کرنے کی وہ تاب اس وجہ سے نہیں لا سکے کہ ان کا دعویٰ بے بنیاد ہے، واقعہ اسراء و معراج کی تفصیلات میں جو روایات آئی ہیں ان کا 99% فی صد سے بھی زیادہ حصہ ان راویوں سے مروی ہے جن کا یہودیت سے کوئی سابقہ تعلق نہیں رہا ہے، واقعہ کی طویل تفصیلات میں جو باتیں ان لوگوں سے مروی ہیں جو پہلے یہودی تھے وہ آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں ہیں، پھر ان کے ہونے یا نہ ہونے سے مسلمانوں کی معلومات پر کوئی فرق بھی نہیں پڑتا، مثلاً تفسیر طبری ہی کو لے لیجئے، اس میں امام طبری نے سورہ نجم کی آیات کے ذیل میں واقعہ معراج کی تشریح کرتے ہوئے جو روایات نقل کی ہیں ان میں سے دو روایات کعب احبار سے منقول ہیں جن کا تعلق پہلے یہودیت سے تھا، وہ دونوں روایتیں ہم معنیٰ ہیں اور ان میں بھی واقعہ معراج سے متعلق کوئی بات نہیں ہے، بلکہ صرف اس بات کا بیان ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے ان سے پوچھا کہ سدرۃ المنتہیٰ کیا چیز ہے؟ تو انہوں نے سدرۃ المنتہیٰ کے بارے میں اپنی معلومات نقل کی، اولاً تو یہ روایت بھی معراج کے بارے میں نہیں ہے بلکہ سدرۃ المنتہیٰ کے بارے میں ہے۔ ثانیاً اگر کعب احبار کی روایت چھوڑ دی جائے تو سدرۃ المنتہیٰ کے تعلق سے مسلمانوں کی معلومات پر کوئی بنیادی فرق واقع نہ ہوگا، اس لیے کہ کعب احبار کی ایک روایت کے مقابلہ میں سدرۃ المنتہیٰ کے سلسلہ میں مسلمانوں کے پاس دسیوں روایتیں موجود ہیں جو ایسے راویوں سے مروی ہیں جن کا دور دور تک یہودیت سے کوئی تعلق ہی نہیں رہا ہے۔ ہم شاز صاحب سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ ہوا میں تیر چلانے کے بجائے علمی منہج اختیار کریں، اگر انہیں ایسا محسوس ہوتا تھا کہ معراج کے واقعات کا قابل ذکر حصہ صرف (سابق) یہودی راویوں سے مروی ہے دوسروں سے نہیں، تو ان واقعات کو ان کے راویوں کے نام کے ساتھ درج کرنا چاہیے تھا، اگر اس کی تاب نہ تھی تو پھر صرف J.horowitz کی تقلید میں ایسا بے بنیاد دعویٰ کرنا مناسب نہیں تھا۔

واقعہ اسراء و معراج کے سلسلہ میں تیسرا مغالطہ:

شاز صاحب لکھتے ہیں: ''کتب تفسیر میں واقعۂ معراج پر طول طولانی بحثیں موجود ہیں، لیکن ان تمام بیانات کے تفصیلی تذکرے اور تنقیدی محاکمے کے باوجود اس مسئلہ کا اب تک فیصلہ نہ ہو سکا کہ معراج جسمانی تھی یا روحانی، عالم بیداری میں ہوئی یا عالم خواب میں، عرش پر آپ کو دیدار الٰہی کا شرف حاصل ہوا یا "لاتدرکه الأبصار" کی وجہ سے ایسا سوچنا صحیح نہیں، پھر ان روایتوں میں بھی سخت اختلاف ہے کہ معراج سے پہلے آپ کا سفر جانب مدینہ تھا یا مکہ سے براہ راست آپ کو بیت المقدس لے جایا گیا، پورے سفر میں براق استعمال ہوا یا اسے صرف زمینی سفر میں استعمال کیا گیا اور یہ کہ بیت المقدس میں معراج یعنی ایک سیڑھی لائی گئی جو آسمانوں کو جاتی تھی۔ (راشد شاز، ادراک زوال امت، نئی دہلی 2005 ج ۱، ص ۱۵۱)

ازالہ: مذکورہ بالا عبارت میں شاز صاحب نے معراج کی تفصیلات کو مختلف فیہ باور کرا کر معراج و اسراء کے واقعہ کو شک کے دائرہ میں لانے کی کوشش کی ہے۔ حالانکہ جن چیزوں کا تذکرہ انہوں نے کیا ہے ان میں سے دیدار الٰہی کو چھوڑ کر ہر چیز کے بارے میں امت مسلمہ کا ایک متفقہ موقف ہے جس کے خلاف زیادہ سے زیادہ کچھ شاذ اور ضعیف اقوال ہیں جنہیں امت میں کبھی اعتبار کی نظر سے نہ دیکھا گیا، ان ضعیف اقوال پر نظر کرتے ہوئے پورے واقعہ کو مختلف فیہ اور مشکوک ثابت نہیں کیا جا سکتا، ایسا کرنا مستشرقین کا رویہ رہا ہے جو ضعیف اقوال کی تلاش میں رہتے ہیں

اوران کو ہتھیار بنا کر اسلام پر طرح طرح کے حملے کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ دنیا کی جو بھی چیز یا شخصیت لے لیجئے آپ کو ضرور اس کے تعلق سے دو آراء مل جائیں گی، چاہے دوسری رائے بہت کمزور درجہ ہی کی کیوں نہ ہو، ضعیف اور کمزور اقوال کی بنا پر اگر چیزوں کو مختلف فیہ ثابت کر کے انھیں مسترد کیا جانے لگے تو پھر کیا کوئی شخصیت قابل اعتبار قرار پا سکتی ہے،؟ کوئی کتاب اچھی کتاب کا درجہ پا سکتی ہے؟ سچی بات یہ ہے کہ شاز صاحب کی اس منطق پر انسان اگر عمل کرے تو نہ وہ خدا پر ایمان لائے نہ رسول پر ،کہ ان کے بارے میں بھی لوگ طرح طرح کی باتیں کرتے ہیں۔ پھر یہ بھی سوچنے کی بات ہے کہ چیزوں کو مختلف فیہ باور کرا کر اس کو مسترد کرنے کا یہ انداز علمی منہجیت سے کسی قدر تعلق رکھتا ہے؟ علمی منہج تو یہ ہے کہ اگر کسی چیز میں دو اقوال ہیں تو علمی بنیادوں پر ان میں سے ایک کو صحیح اور ایک کو غلط ثابت کر کے ایک قول کو لے لیا جائے اور دوسرے کو مسترد یا مرجوح مان لیا جائے، افسوس کی بات یہ ہے کہ لگتا ہے کہ شاز صاحب نے صرف تشکیک کا بیڑا اٹھایا ہے، جس کے لیے نہ علمی منہج کی ضرورت ہے اور نہ علمی روایات کے پاس ولحاظ کی۔ اس لیے وہ کسی واقعہ کے تعلق سے دو مختلف اقوال میں سے ایک کو صحیح اور ایک کو غلط کہنے کے بجائے پورے واقعہ کو ہی فرضی قرار دے دیتے ہیں۔

اب آیئے دیکھتے ہیں کہ شاز صاحب نے جن چیزوں کو مختلف فیہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے آیا وہ واقعۃً مختلف فیہ ہیں یا ان کو مختلف فیہ باور کرانے کی کوشش کی گئی ہے۔

انہوں نے لکھا ہے ''پھر ان روایتوں میں بھی سخت اختلاف ہے کہ معراج سے پہلے آپ کا سفر جانب مدینہ تھا یا مکہ سے براہ راست آپ کو بیت المقدس لے جایا گیا'' (ادراک ج،۱،ص ۱۵۱) حقیقت یہ ہے کہ شاز صاحب نے اس عبارت میں معراج کا انکار کرنے کے لئے اختلاف روایات کا ہوا کھڑا کیا ہے حالانکہ جس چیز کو وہ اختلاف روایات سے تعبیر کر رہے ہیں وہ اختلاف روایات ہے ہی نہیں ۔ اگر غور کیا جائے تو بات صرف اتنی ہے کہ بعض روایات میں سفر کی ساری تفصیلات ہیں کہ دوران سفر کہاں کہاں رکے، کیا کیا چیزیں دیکھیں اور بعض روایات میں دوران سفر کی تفصیلات کو نظر انداز کرتے ہوئے مسجد اقصی پہونچنے اور وہاں پیش آنے والی چیزوں کا تذکرہ کیا گیا ہے، اس میں تضاد کی کونسی بات ہے، ہم روزمرہ اس بات کا مشاہدہ کرتے ہیں کہ ایک ہی واقعہ کے تعلق سے دو لوگوں کے اگر بیانات لئے جائیں تو ایک شخص اختصار سے کام لیتے ہوئے کچھ باتیں ذکر کرتا ہے اور کچھ باتیں چھوڑ دیتا ہے، جبکہ دوسرا شخص ایک ایک تفصیل نقل کرتا ہے، بلکہ ہم دیکھتے ہیں کہ کبھی کبھی ایک ہی انسان کسی جگہ تو واقعات کو مختصراً نقل کرتا ہے اور دوسری جگہ بہت تفصیل سے ایک ایک چیز بیان کرتا ہے۔ اوروں کو تو چھوڑیئے خود اللہ نے قرآن میں بار ہا یہ اسلوب اختیار کیا ہے کہ ایک جگہ کسی چیز کو اجمالاً بیان کیا ہے اور دوسری جگہ اس کی تفصیلات بیان کی ہیں، شاز صاحب نے جس منطق سے متعلقہ احادیث کو متناقض قرار دیا ہے اس منطق سے تو اگر قرآن پاک کی ان آیات کو دیکھا جائے تو سب کی سب متضاد اور متناقض ٹھہریں گی ۔ مثلاً حضرت موسی کا جادوگروں سے جو مقابلہ ہوا اس میں ایک جگہ تو یہ تفصیل بیان کی گئی کہ جادوگروں نے خود کہا کہ چاہے پہلے آپ اپنی چیزیں ڈالیں یا پھر ہم، تو حضرت موسیٰ نے فرمایا کہ تم ہی پہلے ڈالو۔ ﴿قالوا یا موسی اما ان تلقی واما ان نکون نحن الملقین، قال القوا﴾، جبکہ دوسری جگہ قرآن نے یہ تفصیل بیان نہیں کی ہے، ۱۹ ویں پارے میں اس واقعہ کو ذکر کرتے ہوئے صرف اتنا ذکر کیا ہے کہ حضرت موسی نے جادوگروں سے کہا۔ ﴿قال لھم موسی القوا ماانتم ملقون﴾ جس سے بظاہر یہ لگتا ہے کہ حضرت موسی نے ہی پہل کرتے ہوئے کہا تھا، اب اگر کوئی ان دونوں آیتوں کو سامنے رکھ کر یہ کہے کہ ان میں تضاد ہے تو اس کی عقل پر افسوس کے سوا اور کیا کیا جا سکتا ہے، ہر عقل مند انسان سمجھ سکتا ہے کہ اس میں تضاد کچھ بھی نہیں ہے بس بات اتنی سی ہے کہ ایک جگہ جو بات تفصیل سے کہی گئی ہے وہی بات دوسری جگہ اجمالاً نقل کر دی گئی ہے، یہی چیز

حضرت ابراہیم کے واقعہ میں نظر آتی ہے ایک جگہ ہے وَنَبِّئْهُمْ عَن ضَيْفِ إِبْرَاهِيمَ (51) إِذْ دَخَلُواْ عَلَيْهِ فَقَالُواْ سَلاماً قَالَ إِنَّا مِنكُمْ وَجِلُونَ (52)قَالُواْ لاَ تَوْجَلْ إِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلاَمٍ عَلِيمٍ 53) اس آیت میں کہا گیا ہے کہ جب فرشتے حضرت ابراہیمؑ کے پاس مہمان بن کر پہنچے تو انہوں نے سلام کیا تو حضرت ابراہیمؑ نے کہا ہمیں تم سے ڈر لگتا ہے، جب کہ دوسری جگہ بہت تفصیل سے یہ واقعہ بیان کیا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ جب فرشتوں نے سلام کیا تو حضرت ابراہیمؑ نے سلام کا جواب دیا پھر اپنے گھر گئے اور بچھڑا بنوا کر لائے، جب فرشتوں نے کھانے کے لیے ہاتھ نہیں بڑھایا تو انہیں ڈر محسوس ہوا ،الخ،قرآن میں ہے هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ ضَيْفِ إِبْرَاهِيمَ الْمُكْرَمِينَ (24)إِذْ دَخَلُوا عَلَيْهِ فَقَالُوا سَلَاماً قَالَ سَلَامٌ قَوْمٌ مُّنكَرُونَ (25)فَرَاغَ إِلَى أَهْلِهِ فَجَاء بِعِجْلٍ سَمِينٍ (26)فَقَرَّبَهُ إِلَيْهِمْ قَالَ أَلَا تَأْكُلُونَ (27)فَأَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيفَةً قَالُوا لَا تَخَفْ وَبَشَّرُوهُ بِغُلَامٍ عَلِيمٍ (28)

مذکورہ بالا قرآنی آیات کے اسلوب کو دیکھنے کے بعد متعلقہ احادیث کے بارے میں سمجھا جاسکتا ہے کہ ان میں کوئی تضاد نہیں ہے،صرف اتنا ہوا ہے کہ بعض روایات میں واقعۂ اسراء کی تفصیلات بھی نقل کی گئی ہیں جن میں مدینہ سے گذرنا وہاں دو رکعت نماز پڑھنا وغیرہ کو ذکر کیا ہے اور بعض راویوں نے دوران سفر کی تفصیلات کو بیان نہ کر کے صرف مسجد اقصی پہنچنے کا تذکرہ کیا ہے۔

براق یا سیڑھی

ایک اور چیز جس کو شاز صاحب نے مختلف فیہ باور کرا کر پورے واقعہ اسراء ومعراج کو غلط ثابت کرنے کی کوشش کی ہے وہ ان ہی کے الفاظ میں یہ ہے ''پھر ان روایات میں بھی سخت اختلاف ہے کہ پورے سفر میں براق استعمال ہوا یا اسے صرف زمینی سفر میں استعمال کیا گیا اور یہ کہ بیت المقدس میں معراج یعنی ایک سیڑھی لائی گئی جو آسمانوں کو جاتی تھی''۔(راشد شاز۔ادراک زوال امت۔نئی دہلی ۲۰۰۵،ص،۱۵۱۔)

اس عبارت میں جس چیز کو شاز صاحب نے مختلف فیہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے وہ یہ ہے کہ آیا براق کا استعمال صرف مسجد اقصی تک ہوا تھا اور آسمانی سفر کے لئے معراج یعنی سیڑھی کا استعمال کیا گیا۔یا یہ کہ براق سے ہی آسمانی سفر بھی ہوا،اصل میں شاز صاحب کو دھوکہ اس وجہ سے ہوا ہے کہ انہوں نے مختلف روایات کو ایک دوسرے سے الگ کر کے سمجھنے کی کوشش کی ہے، ایسا جب بھی کیا جائیگا خواہ وہ قرآن کے ساتھ ہی کیوں نہ ہو متضاد باتیں برآمد ہونگی، اس لیے کہ بات کرنے والا موقع محل کی مناسبت سے ایک ہی بات کو کبھی اختصار سے کہتا ہے کبھی تفصیل سے، کسی ضرورت سے کبھی وہ ایسا بھی کرتا ہے کہ بعد میں پیش آنے والی چیز کو پہلے نقل کرتا ہے اور پہلے پیش آنے والی چیز کو بعد میں، جیسا کہ حضرت لوط علیہ السلام کے قصہ میں سورہ حجر میں ہے کہ فرشتوں نے کہا کہ اپنے گھر والوں کو لے کر نکل جایئے اس کے بعد ذکر کیا گیا ہے کہ لوگ (بدکاری کے ارادہ سے) خوش ہوتے ہوئے آئے جبکہ سورہ نحل میں ہے کہ لوگ حضرت لوط کے یہاں مہمانوں کی آمد سن کر (برے ارادہ سے) دوڑے آئے تو حضرت لوط بہت پریشان ہوئے اس پر فرشتوں نے کہا: ہم آپ کے رب کے بھیجے ہوئے ہیں آپ اپنے گھر والوں کو لے کر نکل جائیں۔ سورہ نحل کی آیات پڑھ کر اصل ترتیب معلوم ہوتی ہے۔جس کی نظر ان دقائق پر نہیں ہوگی اور وہ مختلف نصوص کو ملا کر نتائج مستنبط کرنے کا خواہاں نہیں ہوگا وہ یا تو دونوں جگہوں کو متضاد مانے گا یا پھر واقعات کی ترتیب کو سمجھنے میں غلطی کریگا۔اس اہم نکتہ کو سمجھنے کے بعد یہ سمجھنا چاہیے کہ عام طور پر روایات میں یہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ مسجد حرام سے مسجد اقصی براق پر گئے اور وہاں سے ایک خاص قسم کی سیڑھی کے ذریعہ آسمانوں پر تشریف لے گئے البتہ بخاری کی ایک روایت سے پتہ چلتا ہے کہ آپ براق پر سوار ہوئے، آپ کو لے کر جبریل چلے یہاں تک کہ آسمان پر پہنچے۔اس روایت میں نہ مسجد اقصی جانے کا تذکرہ ہے نہ سیڑھی ملنے کا۔مختلف روایات کو سامنے رکھ کر اگر غور کیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ اس روایت میں راوی نے اختصار

سے کام لیا ہے اور براق پر سوری کے بعد مسجد اقصی پہنچنے اور وہاں سیڑھی ملنے وغیرہ واقعات کو حذف کر کے آسمانوں تک پہنچنے کو ذکر کر دیا ہے۔اس طرح کے اختصار کی مثال خود قرآن میں بہت سی جگہوں پر ہے۔بطور مثال حضرت ابراہیم اور ان کے مہمانوں کا واقعہ ہم اوپر ذکر بھی کر چکے ہیں۔قرآن کے اس اسلوب کو سامنے رکھتے ہوئے ایک عقلمند انسان سمجھ سکتا ہے کہ بخاری کی روایت میں کوئی تضاد نہیں بلکہ صرف اختصار ہے جس کو ان طویل روایات کے ساتھ ملا کر سمجھنے کی ضرورت ہے جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ براق سے صرف مسجد اقصی تک سفر ہوا ہے نہ کہ آسمانوں تک۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں بخاری کی روایت کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے: **وفی سیاقہ ایضا حذف تقدیرہ حتی اتی بی بیت المقدس ثم اتی بالمعراج کما فی روایۃ ثابت عن انس رفعہ،** قسطلانی نے المواہب اللدنیہ میں لکھا ہے **:ویمکن ان یقال: ما وقع ھنا اختصار من الراوی،...وحاصلہ ان بعض الرواۃ ذکر ما لم یذکرہ الآخر، ووثابت البنانی قد حفظ الحدیث . ففی روایتہ عند مسلم انہ اتی بیت المقدس فصلی بہ ثم عرج الی السماء** بہرحال سواد امت نے بخاری کی روایت کو اختصار پر محمول کیا ہے نہ کہ تضاد پر۔

معراج جسمانی تھی یا روحانی:

شاز صاحب نے اس بات کو بھی مختلف فیہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ معراج جسمانی تھی یا روحانی؟ عالم بیداری میں تھی یا عالم خواب میں؟ حالانکہ اس سلسلہ میں گو ایک کمزور قول یہ رہا ہے کہ معراج روحانی تھی یا عالم خواب میں ہوئی لیکن امت نے اس کو ایک شاذ اور غیر معتبر رائے سے زیادہ حیثیت نہیں دی اور جمہور امت کا نقطۂ نظر یہی رہا اور ہے کہ معراج جسمانی تھی اور عالم بیداری میں تھی۔علامہ سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں: ''جمہور کا مذہب یہی ہے کہ معراج جسمانی تھی اور بیداری کی حالت میں تھی''۔حضرت عائشہ اور حضرت معاویہ کے سلسلہ میں یہ کہا جاتا ہے کہ وہ معراج کے عالم خواب میں ہونے کے قائل تھے لیکن ان لوگوں کی طرف اس قول کی نسبت درست نہیں ہے،حضرت معاویہ کی طرف منسوب قول کو مع سند کے سیرۃ النبی میں علامہ سید سلیمان ندوی نے ذکر کیا ہے، پھر لکھا ہے: ''یہ روایت منقطع ہے،یعقوب نے حضرت معاویہ سے نہیں سنا ہے کیوں کہ انہوں نے ان کا زمانہ نہیں پایا ہے،اسی طرح حضرت عائشہ سے منسوب قول کو مع سند ذکر کرنے کے بعد تحریر فرمایا ہے: ''اس روایت کے سلسلہ میں بھی محمد بن اسحٰق اور حضرت عائشہ کے درمیان ایک راوی یعنی خاندان ابوبکر کے ایک شخص کا نام ونشان مذکور نہیں ہے اس لئے یہ بھی پایۂ صحت سے فروتر ہے''۔(سید سلیمان ندوی، سیرۃ النبی،دار المصنفین ج۳،ص۲۹۷۔)

معراج میں رؤیت باری کا مسئلہ:

شاز صاحب نے معراج کی جن تفصیلات کو مختلف فیہ ثابت کر کے پورے واقعہ معراج کو غلط ثابت کرنے کی کوشش کی ہے ان ہی میں سے ایک رؤیت باری کا مسئلہ بھی ہے کہ آنحضرت ﷺ کو معراج میں دیدار الٰہی حاصل ہوا یا نہیں، حقیقت یہ ہے کہ یہی ایک ایسی چیز ہے جس میں واقعتاً امت کا اختلاف رہا ہے۔امت کا ایک بڑا طبقہ اس بات کا قائل ہے کہ معراج میں رسول اللہ ﷺ کو رؤیت باری حاصل نہیں ہوئی جبکہ ایک قابل ذکر تعداد کا کہنا ہے کہ رؤیت باری حاصل ہوئی۔ان ہی میں امام نووی قاضی عیاض وغیرہ ہیں،لیکن غور کرنے کی بات یہ ہے کہ رؤیت باری کے ثبوت یا عدم ثبوت سے اصل واقعہ اسراء ومعراج کے پیش آنے پر آخر کون سی زد پرتی ہے ؟رؤیت باری کا مسئلہ معراج کی تفصیلات سے تعلق رکھتا ہے ،اگر کسی واقعہ کے کسی خاص جزء کے تعلق سے اختلاف ہو جائے تو کیا اس سے پورے واقعہ کو غلط قرار دیا جا سکتا ہے؟ ہم روزمرہ دیکھتے ہیں کہ ایک ہی واقعہ کو دو لوگوں نے مشاہدہ کیا ہوتا ہے پھر جب وہ اس کو بیان کرتے ہیں تو ان کے بیانات بعض تفصیلات میں مختلف ہو جاتے ہیں،لیکن ان جزئی اختلافات کی بنا پر کوئی پورے واقعہ کو فرضی نہیں قرار دیتا، بلکہ بیان کرنے والوں کی ذہنی

استعداد قوت فہم ،اخذ کرنے کی صلاحیت اور بہت سی دوسری چیزوں کے اختلاف پر محمول کرلیا جاتا ہے، بالکل اسی طرح سمجھنا چاہیے کہ رؤیت باری کا مسئلہ معراج کی جزئی تفصیلات سے تعلق رکھتا ہے جس میں راویوں کا اختلاف خود رؤیت باری کے تعلق سے تو ضرور ذہن میں بعض سوالات پیدا کرتا ہے لیکن اسراء ومعراج کے وقوع پر اس سے کوئی حرف نہیں آتا۔

اسراء ومعراج کے سلسلہ میں چوتھا مغالطہ:

شاز صاحب نے واقعۂ معراج کو غلط ثابت کرنے کے لئے مزید لکھا ہے: ''ہمارا مقصد چونکہ فی الوقت واقعہ معراج پر گفتگو نہیں بلکہ صرف اس امر کی طرف اشارہ مقصود ہے کہ کس طرح یہودی پس منظر نے ہیکل سلیمانی کی مرکزی حیثیت کو مسلمانوں کے دل ودماغ پر حاوی کردیا، گویا معراج کے لئے اگر آسمانوں کو جاتی ہوئی سیڑھی بھی ملی تو اسی ہیکل سلیمانی کے یہودی معبد سے، ابوالانبیاء ابراہیم کے تعمیر کردہ کعبہ کو یہ حیثیت حاصل نہ ہوسکی کہ وہاں سے آسمانوں کا دروازہ کھلتا، حتی کہ پچاس نمازوں کو پانچ کی تعداد تک لانے میں بھی حضرت موسی کی عملی سوجھ بوجھ کا جس طرح بنیادی دخل بتایا گیا ہے وہ بھی اہل نظر سے پوشیدہ نہیں۔''

ازالہ: شاز صاحب کی یہ تحریر خود ان کی دوسری تحریروں سے کتنی متناقض ہے اس کا تذکرہ تو ہم بعد میں کریں گے، فی الحال تو اتنا عرض کردیں کہ مسجد اقصی کوئی ہیکل سلیمانی نہیں ہے، وہ محمد رسول اللہ سے پہلے بھی مسجد اقصی تھی، اور وہ آج بھی مسجد اقصی ہے اور کل بھی رہے گی، پچھلے شمارے میں ہم نے بہت تفصیل سے مسجد اقصیٰ کی تاریخ لکھی ہے اور ہیکل سلیمانی کے بے بنیاد مفروضے کی قلعی کھولی ہے، افسوس کی بات یہ ہے کہ شاز صاحب بھی ہیکل سلیمانی کا وہی راگ الاپ رہے ہیں جو ایک زمانے سے یہودی الاپ رہے ہیں۔

دوسری بات یہ کہ اگر فرض کرلیجئے کہ وہ ہیکل سلیمانی ہی ہے جو یہودیوں کے عقیدے کے مطابق حضرت سلیمان کا تعمیر کردہ معبد ہے اور وہاں سے نبی کو معراج کرائی گئی تو اس میں کسی کو اعتراض کا کیا حق حاصل ہے؟ خدا اپنے بندے کو کہاں سے بلائے اس میں ہماشما کو بولنے کا کیا حق حاصل ہے؟ اگر بالفرض یہ مان بھی لیا جائے کہ وہاں پر حضرت سلیمان کا بنایا ہوا ہیکل سلیمانی تھا تو اس پر یہ تبصرہ کرنا کہ ابوالانبیاء ابراہیم کے تعمیر کردہ کعبہ کو چھوڑ کر یہودی معبد ہیکل سلیمانی ہی سے کیوں سیڑھی ملی؟ کیا یہ خدائی معاملات میں دخل اندازی کرنا، انبیاء میں تفریق کرنا اور ایک نبی کی تحقیر کرنا نہیں ہے؟ کیا خدا اپنے خلیل کے تعمیر کردہ کعبہ کو چھوڑ کر کسی معاملہ میں اپنے نبی سلیمان کی تعمیر کردہ عمارت کو کسی فضیلت سے خاص نہیں کرسکتا؟ کیا یہ وہی یہودی ذہنیت نہیں ہے جس کی بنا پر یہودیوں نے حضرت محمد ﷺ کو نبی ماننے سے یہ کہہ کر انکار کردیا تھا کہ وہ بنی اسحاق میں کیوں نہ آئے بنی اسماعیل میں کیوں آئے؟، کیا اس طرح کی سوچ ان مشرکین کی سوچ کے مطابق نہیں ہے جنہوں نے نبی علیہ السلام کو یہ کہہ کر نبی ماننے سے انکار کردیا تھا کہ ﴿لولا أنزل هذا القرآن على رجل من القريتين عظيم﴾ کہ کیوں نہ یہ قرآن مکہ اور طائف کے کسی عظیم آدمی پر اترا، شاز صاحب بتائیں کہ وہ کون ہوتے ہیں یہ مشورہ دینے والے یا یہ اعتراض کرنے والے کہ سیڑھی یہاں سے کیوں ملی، وہاں سے کیوں نہ ملی؟

تیسری بات جو بڑی اہم ہے وہ یہ ہے کہ شاز صاحب کی یہ عبارت خود ان کی دوسری تحریروں سے بے انتہا متناقض ہے، وہ ایک جگہ لکھتے ہیں: ''انبیاء کی اس کہکشاں میں محمد رسول اللہ تاریخ کے آخری رسول اور خاتم النبیین کے منصب پر فائز نظر آتے ہیں گویا ہر نبی ایک الگ شان کا حامل ہے، اور یہ سب مل کر مجموعی طور پر اہل ایمان کے لئے راستے کی نشاندہی کرتے ہیں جو راہ یابوں کا راستہ ہے۔ یہ سب کے سب اس ربانی شناخت کے حامل ہیں جو اہل ایمان کا طرہ امتیاز ہے''۔ (ادراک ج۲، ص۔۴۶۳)

ذرا سوچئے کہ جب خود شاز صاحب کے بقول ہر نبی ایک الگ شان کا حامل ہے اور سارے نبی مل کر اہل ایمان کے لئے ایسے راستے کی نشاندہی کرتے ہیں جو راہ یابوں کا راستہ ہے تو پھر وہ عمارت جو شاز صاحب کے بقول ہیکل سلیمانی ہے اس سے حضور ﷺ کو آسمانی سفر کے لئے سیڑھی ملنے میں انہیں

اشکال کیوں ہونے لگا؟ کیا انبیاء کے درمیان امتیاز نہ برتنے کی دعوت دینے والوں کا یہ شیوہ ہونا چاہئے؟۔ اگر یہ تسلیم بھی کرلیا جائے کہ وہ ہیکل سلیمانی ہے تو کیا سلیمان علیہ السلام کی تعمیر کردہ عبادت گاہ کے تعلق سے شاز صاحب کو یہ طعن زیب دیتا ہے کہ ''معراج کے لئے اگر آسمانوں کو جاتی ہوئی سیڑھی بھی ملی تو اسی ہیکل سلیمانی کے یہودی معبد سے'' ان کے اس تبصرہ کو ان کی مندرجہ بالا عبارت سے ملایئے تو ان کا فکری تناقض دوپہر کی دھوپ کی طرح واضح ہوجائے گا۔

معراج کے سلسلہ میں پانچواں مغالطہ:

شاز صاحب نے واقعۂ معراج کو بے بنیاد اور یہودیوں سے ماٴخوذ ثابت کرنے کے لئے یہ دلیل بھی دی ہے:

''حتیٰ کہ پچاس نمازوں کو پانچ کی تعداد تک لانے میں بھی حضرت موسیٰؑ کی عملی سوجھ بوجھ کا جس طرح بنیادی دخل بتایا گیا ہے وہ بھی اہل نظر سے پوشیدہ نہیں''۔

ازالہ: اس واقعہ میں حضرت موسیٰ کے سلسلہ میں جو تعریفی پہلو نکلتا ہے اس سے شاز صاحب نے یہ استدلال کرنے کی کوشش کی ہے کہ معراج کا پورا واقعہ ہی یہودیوں سے مرعوبیت کا نتیجہ ہے اور مسلمان ہوجانے والے بعض یہودیوں کی سازش کا نتیجہ ہے، سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس طرح کی منطق سے کیا قرآن کی ان تمام آیات کو شک کی زد میں نہیں لایا جاسکتا ہے جن میں انبیائے بنی اسرائیل کی تعریف کی گئی ہے، مثلاً شاز صاحب ان آیات کے تعلق سے کیا کہیں گے ﴿واذکر فی الکتاب موسیٰ انہ کان مخلصا و کان رسولا نبیا﴾ ﴿ونادیناہ من جانب طور الأیمن وقربناہ نجیا﴾ (مریم:۵۱-۵۲) کیا یہ آیات بھی کسی نے یہودیوں سے مرعوب ہوکر قرآن میں بڑھادی ہیں، یا یہ کسی یہودی کی سازش کا نتیجہ ہے؟، اسی طرح حضرت داؤدؑ کے تعلق سے قرآن کریم میں مذکور مندرجہ ذیل آیات کے سلسلہ میں شاز صاحب کیا کہیں گے ﴿ولقد آتینا داؤد منا فضلا، یا جبال أوبی معہ والطیر، والنّا لہ الحدید﴾ (سبا:۱۰) کیا یہ آیات بھی یہودیوں سے مرعوبیت کے نتیجہ میں کسی نے قرآن میں داخل کردی ہیں۔ اسی طرح حضرت سلیمان کے تعلق سے مذکور قرآن کی مندرجہ ذیل آیات کے تعلق سے شاز صاحب کیا کہیں گے ﴿وحشر لسلیمان جنودہ من الجن والانس والطیر فھم یوزعون﴾ (النمل:۱۷) نیز ﴿ووھبنا لداؤد سلیمان نعم العبد انہ أواب﴾ (ص:۳۰) فسخرنا لہ الریح تجری بأمرہ رخاء حیث اصاب، والشیاطین کل بناء وغواص وآخرین مقرنین فی الاصفاد ھذا عطاؤنا فامنن أو أمسك بغیر حساب، وان لہ عندنا لزلفی وحسن مآب﴾ (ص:۳۶-۴۰) جس منطق سے شاز صاحب نے معراج کے واقعہ کو رد کرنے کی ناپاک کوشش کی ہے کیا اسی منطق سے وہ قرآن کریم کی مندرجہ بالا آیات نیز انہی جیسی دوسری آیات کو رد کرنے کرنے کی جسارت کریں گے۔

معراج کے سلسلہ میں چھٹا مغالطہ:

واقعہ معراج کو غلط ثابت کرنے کے لئے شاز صاحب مزید لکھتے ہیں: ''واقعہ معراج میں سیڑھی کا لایا جانا، جنت کی نہروں کا بیان، زمرد اور یاقوت کا ذکر، شہد سے میٹھے، برف سے ٹھنڈے اور دودھ سے سفید مشروب کا تذکرہ اور اس طرح کے بیانات میں قصص سابقہ کے ذہنی تخیل کو کس حد تک دخل ہوسکتا ہے اس کا کسی حد تک اندازہ حضرت یعقوب کے اس خواب سے لگایا جا سکتا ہے جس کا بیان کتاب پیدائش (28:10-19) میں موجود ہے اور جہاں آسمانوں کو جاتی ہوئی ایک ایسی سیڑھی کا تذکرہ بھی موجود ہے جہاں یعقوب کو بحالت خواب خدا سے ہم کلامی کا شرف حاصل ہوتا ہے''۔

ازالہ: شاز صاحب نے مذکورہ بالا عبارت میں بعینہ وہی کام کیا ہے جو ہمیشہ مستشرقین کرتے رہے ہیں، مستشرقین کی عادت رہی ہے کہ وہ اگر قرآن وحدیث میں کوئی بھی چیز ایسی پاتے ہیں جو توریت وانجیل میں بھی موجود ہے تو دونوں نصوص کو پیش کرکے یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ قرآن دراصل

توریت وانجیل سے ماخوذ ہے، وہ یہ باور کراتے ہیں کہ محمد رسول اللہ ﷺ نے توریت و انجیل پڑھ کر یہ ساری باتیں کی ہیں، حالانکہ صحیح بات یہ ہے کہ قرآن وحدیث اور تورات وانجیل میں جو چیزیں مشترک پائی جاتی ہیں اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ ان میں سے کوئی کسی سے ماخوذ ہے، بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ تورات وانجیل کا سرچشمہ بھی اسی خدا کی ذات ہے جو قرآن وحدیث کا سرچشمہ ہے اور باوجود اس کے کہ تورات وانجیل میں ہزارہا تحریفات ہوچکی ہیں لیکن بہرحال اب بھی بعض باتیں غیر محرف شکل میں موجود ہیں، ان میں سے کوئی بات اگر قرآن وحدیث میں مل جائے تو عقل ودانش کا تقاضا یہ ہے کہ یہ سمجھا جائے کہ چونکہ دونوں کا سرچشمہ ایک ہے اس لئے یہ توافق پایا جارہا ہے۔ اب بجائے اس کے کہ مستشرقین اس معقول اور منطقی سبب کو سمجھتے وہ قرآن کو تورات وانجیل سے ماخوذ قرار دینے لگے، شاز صاحب بھی انہی کے نقش قدم پر گامزن ہیں۔ وہ یہ کہنے کی ہمت تو نہیں کر سکتے کہ قرآن توریت وانجیل سے ماخوذ ہے البتہ جہاں تہاں وہ احادیث کو یہ کہہ کر مسترد کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ یہ تورات وانجیل سے ماخوذ ہیں۔

مثلاً اسی واقعہ کو لے لیجئے شاز صاحب نے معراج کے واقعہ اور حضرت یعقوب کے خواب میں مماثلت دکھا کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ معراج کا واقعہ دراصل حضرت یعقوب کے خواب کو سامنے رکھ کر بنایا گیا ہے، حالانکہ عقل و دانش کا تقاضا یہ تھا کہ یہ مانا جائے کہ اگر حضرت یعقوب کا خواب صحیح طور پر نقل ہوا ہے تو معراج اور خواب میں مماثلت کی وجہ یہ ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ اور حضرت یعقوب دونوں ہی اللہ کے نبی تھے، دونوں کو اللہ نے اپنی عظیم نشانیاں دکھائیں، حضرت یعقوب کو جہاں بہت سی چیزوں کی روحانی سیر کرائی گئی وہیں محمد رسول اللہ ﷺ کو جسمانی طور پر بھی ان چیزوں کا مشاہدہ کرایا گیا، جب دونوں اللہ کے نبی تھے تو بعض اشیاء میں اگر دونوں میں مماثلت پائی جائے تو اس کو تشکیکی مواد کے طور پر استعمال کرنے کی کیا ضرورت ہے۔

تھوڑی سی مشابہت کو دیکھ کر شاز صاحب نے معراج کے واقعہ کو حضرت یعقوب کے خواب کا چربہ سمجھ لیا اور اسراء ومعراج کی متواتر احادیث کو اپنی تشکیک کی زد پر لے آئے تو وہ ان دسیوں واقعات کا کیا کریں گے جو تورات وانجیل میں بھی بیان ہوئے ہیں اور قرآن میں بھی، اور جن کے بے شمار اجزاء میں دونوں کے درمیان توافق پایا جاتا ہے، کیا وہ تمام قرآنی واقعات بھی تورات وانجیل کا چربہ ہیں، اور جس طرح شاز صاحب احادیث کو بلا سوچے سمجھے تورات وانجیل سے ماخوذ قرار دیکر مسترد کرتے ہیں، کیا وہ اسی طرح قرآنی واقعات کو بھی تورات وانجیل سے ماخوذ قرار دے کر مسترد کریں گے۔

شاز صاحب کے اس استشراقی رویہ سے مستشرقین کے ساتھ ساتھ مشرکین کی بھی یاد تازہ ہوجاتی ہے جنہوں نے دور رسالت میں ہی محمد رسول اللہ ﷺ پر یہ الزام لگانا شروع کردیا تھا کہ ان کی باتیں صحف سابقہ سے ماخوذ ہیں، ان ہی کے رد میں اللہ نے کہا تھا ﴿ولقد نعلم انهم يقولون انما يعلمه بشر لسان الذي يلحدون اليه أعجمي وهذا لسان عربي مبين﴾ (النحل:۱۰۳) اور دوسری جگہ ان سے کہا تھا ﴿وما كنت تتلوا من قبله من كتاب ولا تخطه بيمينك إذا لارتاب المبطلون﴾ (العنکبوت:۴۸) حق کی آواز کو دبانے کا یہ حربہ مشرکین مکہ کے بعد مستشرقین نے اپنایا اور ہائے افسوس کہ اب یہی حربہ شاز صاحب استعمال کررہے ہیں، ذیل میں مستشرقین کی تحریریں ملاحظہ کیجئے اور سوچئے کہ مستشرقین اور شاز صاحب کی منطق میں کیا کوئی ادنی سا بھی فرق ہے؟ کیا دونوں کے سوچنے کا انداز ایک نہیں ہے؟ بلکہ ان کی عقل مستعار لے کر انہوں نے اپنی خداداد عقل پر ظلم نہیں کیا ہے؟

الموسوعة الاسلامية میں اسماء اللہ الحسنیٰ کے تعلق سے جس مستشرق نے لکھا ہے اس نے لفظ السلام کے تعلق سے یوں گل افشانی کی ہے: "وقد تكون هذه الصفة كلمة بقيت في ذاكرة محمد من العبارات التي تتلى في صلوات النصارىٰ، دائرة المعارف

الاسلامية،ج/٢،ص/٥٦٣،مادة 'الله'۔

نیز یہی کاتب قرآن کریم کی تعبیر اللہ نور السموات والأرض مثل نوره كمشكوٰة فيها مصباح،المصباح في زجاجة، الزجاجة كأنها كوكب دريٌّ الخ کے تعلق سے لکھتا ہے" يظهر سياق الكلام أنه ليشير الى عبادة النصارىٰ في كنائسهم واديرتهم وعلى هذا تكون الصورة الوصفية التي وردت في الآيات مأخوذة من صورة المذبح المضاء ،دائرة المعارف الاسلامية، ج/٢،ص/٥٦٣، مادة الله۔

جمرة کے عنوان سے دائرۃ المعارف الاسلامیۃ میں مستشرق بوہل نے لکھا ہے کہ رمی جمرات بت پرستی سے ماخوذ ہے:

"The peculiar custom, which is not directly prescribed in the Quran,but is mentioned in the biographics of mohammad and in the hadeeth was taken over by Islam from paganism". (shorter encyclopidia of Islam pg. 25 Djamra.)

ورمي الجمرات شعيرة أخذها الاسلام من الوثنية فلم ينص عليها صراحة في القرآن ولكنها ذكرت في سير النبي وفي الحديث۔ (دائرة المعارف ج ٧ ص ١٠٣ مادة الجمرة۔)

کچھ اسی منطق کا استعمال مستشرق فنسنک نے بھی کیا ہے، اس نے چونکہ پڑھا کہ زمانۂ جاہلیت میں بھی حج ہوتا تھا، اس لیے اس نے پورے فریضۂ حج کو وثنیۃ الاصل قرار دیا ہے، وہ لکھتا ہے:" كانت عنايته قليلة أول الأمر بالحج،فلم يرد ذكر الحج في السور القديمة،ولا يبدد من المصادر الأخرىٰ أن النبي اتخذ خطة محددة حيال هذه العادة الوثنية الأصل۔ (دائرة المعارف مادة الحج:أصل الحج في الاسلام ص/٣٠١")

دو چیزوں میں مماثلت کو دیکھ کر ایک کو دوسرے سے ماخوذ قرار دینے کی جس منطق کو شاز صاحب اور مستشرقین نے اختیار کیا ہے اس سے اس طرح کے عجائب روزگار چٹکلوں کے سوا کیا چیز برآمد ہو سکتی ہے۔

کفارہ یمین کے قرآنی حکم کو بھی اسی طرح کی منطق سے ایک مستشرق نے یہودیت کا چربہ قرار دیا ہے،: قسم کے عنوان سے دائرۃ المعارف میں مقالہ نگار نے لکھا ہے:

"The practice of atonement for such oaths after repenting of having taken them seems to be taken from the jews". (shorter encyclopidia of Islam.kasam pg. 322)

قرآن کریم اور عیسائی مصادر میں بعض مماثلت ہی کو دیکھ کر مستشرق ونسنک نے یہ دعویٰ کر دیا ہے کہ :

"The Story of Iblis is based on cristion traditian."

"ذوالقرنین" کے عنوان سے مستشرق E.Methowoch نے لکھا ہے کہ واقعۂ ذوالقرنین سریانی قصوں سے ماخوذ ہے:

"The Syriac legend is, as noldeke has shown,the source of the'Two Horned' in the kuran". (shorter encyclopidia of Islam:Dhul-karnain pg 109)

"یہودی" کے عنوان سے جس مستشرق نے مقالہ لکھا ہے اس نے اسلام اور یہودی عقائد میں مماثلت دیکھ کر پورے عقیدہ توحید کو یہودیت سے ماخوذ قرار دیا ہے،

"The Conception of God,formulated by Mohammad at this time seems to be of purely jewish origin"(shorter encyclopidia of Islam:yahud pg 902)

یہی مقالہ نگار حضرت ابراہیم کے بت شکنی کے واقعہ کو بھی یہودیت سے ماخوذ قرار دیتا ہے،

"The Story of Ibrahim destroying the idols .....is therefore rather of jewish origin." (shorter encyclopidia of Islam-yahud pg 901)

اسی مقالہ نگار نے یہ بھی لکھا ہے کہ قرآن میں حضرت موسیٰ اور حضرت سلیمان کے واقعہ پر یہودیت کی مکمل چھاپ ہے:

"It is in keeping with this that the story of musa in this sura(verse 7 sqq.) has a distinctly jewish stamp as has the story of sulaiman." (shorter encyclopidia of Islam:yahud 902)

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم میں اور یہودیوں میں توحید کے معاملہ میں کافی مماثلت ہے، اسی مماثلت کو دیکھ کر اس مستشرق نے عقیدۂ توحید کو یہودیت سے مستفاد مانا ہے، اب شاز صاحب بتائیں کہ کیا اسلامی عقیدہ توحید کو کسی اسلام دشمن یہودی یا منافق کی سازش کا شاخسانہ سمجھ لیا جائے جس نے یہودیت سے مرعوبیت کی بناء پر ان افکار کو اسلام میں داخل کر دیا ہے۔

ہم اس بحث کو اس مثال پر ختم کرتے ہیں کہ جس طرح شاز صاحب نے واقعۂ معراج اور اس میں بیان کردہ حوض کوثر کی صفات کو حضرت یعقوب کے خواب سے مستفاد مانا ہے بالکل اسی انداز میں ان کے ہم منطق مستشرق ہورفیتز (J.horowitz) نے سورہ محمد میں مذکور جنت کے اوصاف کو تورات وانجیل سے مستفاد مانا ہے، اب شاز صاحب ہی بتائیں کہ کیا معراج ہی کہ طرح سورہ محمد کی آیت بھی یہودیوں سے مرعوبیت کا نتیجہ ہے، کیا اسے بھی یہودیت سے مستفاد قرار دے کر لغو مان لیا جائے؟

''کوثر'' کے عنوان سے مستشرق ہورفیتز نے لکھا ہے:

" These rivers correspond to the rivers of oil, milk,wine and honey which had already been placed in paradise of jewish and cristian eschatology,the only difference is that muhammad replaced oil by water". (shorter encyclopidia of Islam: Kauthar pg 329)

یہاں یہ کہنا بہت بھولے پن کی دلیل ہوگی کہ J.horowitz نے صرف مماثلت کی بات کہی ہے نہ کہ تورات سے استفادہ کی۔ اس لیے کہ horowitz ان لوگوں میں سے ہے جو یہ کہتے ہیں کہ قرآن اور یہودی مصادر میں جو یکسانیت پائی جاتی ہے وہ یہودی مصادر سے سرقہ کا نتیجہ ہے، اس نے ایک جگہ لکھا ہے:

"Beside such express references to the tawrat, the kuran contains, frequesntly repeated a number of stories from the pentatench- usually in their haggada from and not infrequently adapted to muhammad's special purposes and many laws from pemtateuch both without mentioning their origin." (shorter encyclopidia of Islam: pg 830)

اسی جوزیف ہوروٹز کی ایک اور تحقیق بھی چٹکلے کے طور پر پڑھ لیجئے، اس نے اپنی کتاب ''أسماء الأعلام اليهودية والاشتقاق في القرآن میں مندرجہ ذیل قرآنی الفاظ کو عبرانی زبان سے مشتق بتایا ہے اور کہا ہے کہ انہیں حضرت محمد ﷺ نے یہودیوں سے سیکھ لیا تھا'' (المؤتفكات، أمر، أمانة، بركة، تبارك ، بهيمة، مثالي، خلاص، رب العالمين، سكينة، صدقة، عبادة، قيوم، كفارة، ماعون، منهاج، جبار، قدوس، سورة، نبوة،

بعير،عبادةبور،صديق،جنات عدن، تزكى)بأنها مشتقة من العبرية تعلمها محمد من اليهود،في مكة والمدينة۔ (دفاع عن القرآن ص/۳۸ بحواله "Jewish propers names and dexivtivesin the kuran ohio,1925 nachdruckolms"

آخر میں کارل بروکلمان کی تحریر بھی ملاحظہ کیجئے ،اس نے اسلام کی بہت سی چیزوں کو دوسرے ادیان سے ماخوذ ومستفاد مانا ہے، وہ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں لکھتا ہے کہ اصحاب کہف،سکندر،ذوالقرنین اور دوسری بہت سی چیزیں آپ کو مسیحی اساتذہ نے سکھلائی تھیں:" ليس من شك في أن معرفته بمادة الكتاب المقدس كانت سطحية الى أبعد الحدود، وحاقلة بالأخطاء،وقد يكون مديناً ببعض هذه الأخطاء للأساطير اليهودية التي يحفل بها القصص التلمودى،ولكنه مدين بذلك دينا أكبر للمعلمين المسيحين الذين عرفوه بانجيل الطفولة،وبحديث أهل الكهف السبعة، وحديث الاسكندر،وغيرها من الموضوعات التي تتواتر في كتب العصر الوسيط"۔ (تاريخ الشعوب الاسلامية كارل بروكلمان ص/۳۹ دار العلم للملايين پانچواں ایڈیشن۔)

مذکورہ اقتباسات سے یہ بات واضح ہے کہ راشد شاز پہلے شخص نہیں ہیں جنہوں نے احادیث کے ڈانڈے تورات وانجیل سے ملانے کی کوشش کی ہے، بلکہ ان سے پہلے مشرکین اور علم وتحقیق کے نام پر مستشرقین قرآن وحدیث کو صحف سابقہ سے ماخوذ ثابت کرنے کی کوشش کر چکے ہیں۔

واقعہ معراج اور مستشرقین وشاز صاحب

واقعہ معراج یہودی مصادر سے ماخوذ ہے، یہ بات بھی راشد شاز سے پہلے مستشرق J.Horowitz کہہ چکا ہے۔ شاز صاحب نے اسی کی فکر کی ترجمانی کی ہے ، J.Horowitz لکھتا ہے:

"In devloping the story of the prophet's ascension muhammadan writers have used models offered to them by the jewish and cristian Apocalypses" (shorter encyclopidia of Islam :Miradj pg544)

راشد شاز ہی کی طرح اس نے بھی لکھا ہے:

"The ladder is probably identical with jacobs ladder in genesis XXVIII 12 the Ethiopic book of Jubilees" (shorter encyclopidia of Islam :Miradj pg543)

ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے J.Horowitz کی اس تحریر پر جو تبصرہ کیا ہے وہ پڑھنے کے قابل ہے اس سے جہاں J.Horowitz کے اشکال کا جواب ملتا ہے وہیں ان کے ہم خیال وہم فکر شاز صاحب کے اعتراضات کا بھی حل نکلتا ہے۔وہ لکھتے ہیں:"ھاروٹز نے انسائیکلوپیڈیا آف اسلام باراول میں جو مقالہ لکھا ہے اس میں یہ کوشش نظر آتی ہے کہ ہر جزئی تفصیل کے مماثلات دیگر اقوام کے ادبیات میں ڈھونڈ نکالے جائیں ۔ پورے مقالہ سے یہ تاثر پیدا کرایا جاتا ہے کہ معراج کا واقعہ اصلی نہیں بلکہ دیگر اقوام کے قصوں اور انسانوں کی مدد سے ایک نیا افسانہ گڑھ لیا گیا ہو، مگر فاضل مقالہ نگار نے یہ نہ بتایا کہ اس امکان کے متحقق ہونے کی صورت کیا ہوئی ؟ یہ چیزیں مسلمانوں نے کب یا کس طرح لیں؟ اس طرح حضرت یعقوب کے بعد مماثل چیزیں اگر حضرت موسیٰ وسلیمان کی طرف منسوب ہوں تو کیوں صحیح ومستند ہیں؟ اور آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی سے اگر ان کا انتساب ہو تو کیوں سرقہ سمجھا جاتا ہے۔(اردو دائرہ معارف اسلامیہ۔دانش گاہ پنجاب لاہور۔۱۹۸۷۔ج۲۱ص۳۵۰)

☆☆☆

آزادیٔ نسواں

غلامی سے نکل کر قید آزادی میں عورت ہے

ڈاکٹر سلیم خان

نوٹ: پاکستان کے ایک واقعہ کے پس منظر میں عورت کے متعلق سیکولر فکر کا احتساب کیا گیا ہے۔ (ادارہ)

ہاتھی کے دانت کی مانند انسانی مسائل بھی دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک حقیقی جو اکثر عوام کی نظروں سے اوجھل رہ جاتے ہیں یا رکھے جاتے ہیں اور دوسرے نمائشی جو نظر تو آتے ہیں، لیکن کسی کام کے نہیں ہوتے۔ ان کے تعلق سے رویہ بھی دو طرح کا ہوتا ہے۔ بہت سارے لوگ خود اپنے ذاتی مسائل کے اندر اس قدر الجھے ہوئے ہوتے ہیں کہ انہیں سماجی مسائل میں سرے سے کوئی دلچسپی ہی نہیں ہوتی لیکن سارے لوگ ایسے نہیں ہوتے۔ کچھ لوگ انسانیت کا درد محسوس کرتے ہیں اور انکی جانب توجہ فرماتے ہیں۔ ان دلچسپی لینے والوں کی دو قسمیں بادلوں کی مانند ہوتی ہیں ایک تو گرجنے والے اور دوسرے برسنے والے۔ یعنی ایک طبقہ صرف ان مسائل کو اچھالنے پر اکتفاء کرتا ہے لیکن دوسرا انہیں حل کرنے کے لئے سنجیدہ اقدامات کرنے میں یقین رکھتا ہے۔ خواتین چونکہ انسانی سماج کا نصف بہتر ہیں اس لئے حقوق نسواں کے حوالے سے بھی یہی رویہ دیکھنے کو ملتا ہے۔

خواتین کے مسائل کو حل کرنے کی جدوجہد کرنے والوں کی بھی دو اقسام ہوتی ہیں۔ ایک اس کا استیصال کرنے والے اور دوسرے استحصال کرنے والے۔ ان دونوں طبقات میں بہت نازک سا فرق اخلاص نیت کا ہوتا ہے۔ اول الذکر بے لوث انداز میں مظلوم و مقہور طبقات کے مسائل حل کرنا چاہتا ہے اور مؤخر الذکر کو مسائل کی آگ میں اپنی روٹیاں سینکنے کا نادر موقع مل جاتا ہے۔ بظاہر دونوں طرح کے لوگوں کا دعوی اور عمل یکساں ہوتا ہے، وہ مسائل میں گھرے لوگوں کے شریک کار بن کر ان کو ظلم و جبر سے نجات دلانے کی کوشش کرتے ہیں لیکن مطمح نظر مختلف ہوتا ہے۔ نیتوں کا حال تو صرف خدا جانتا ہے مگر ان گروہوں کے دیگر اقدامات سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ کون مخلص اور کون منافق؟

اخلاص کے مزاج میں خاموشی کا عنصر پنہاں ہوتا ہے، وہ جس قدر کرتا ہے اس سے بہت کم بولتا ہے اس کے برعکس نفاق شور شرابے کا محتاج ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر محترمہ ماروی سرمد اور سینیٹر حمد اللہ کا قضیہ دیکھ لیجئے۔ ماروی سرمد کے مطابق حمد اللہ ان کو گالیاں دیں اور کہا کہ وہ ان کی اور ان کی ماں کی شلوار پھاڑ دیں گے۔ یہ یکطرفہ الزام ہے جس کی تصدیق ویڈیو سے نہیں ہوتی لیکن ماروی کے مطابق وہ ویڈیو کے اندر فلم بند ہے جو نشر نہیں کی گئی۔ اگر یہ درست ہے تو قابل مذمت ہے اس لئے کہ کسی خاتون سے اس طرح کے لب و لہجے میں بات کرنے کی اجازت امریکہ کا لبرل سماج اپنے صدارتی امیدوار ڈونالڈ ٹرمپ تو دیتا ہے مگر اسلام اپنے ہمنواؤں کو ہرگز نہیں دیتا۔ حمد اللہ اگر جمعیۃ العلمائے پاکستان کے سینیٹر نہیں بلکہ پی پی پی یا ایم کیو ایم کے ہوتے ہوئے تو ان کے لئے یہ جائز تھا لیکن جمعیت

میں ہوتے یہ ہرگز مناسب نہیں۔ اگر حمد اللہ نے ایسی زبان استعمال کی ہے تو انہیں جمعیت اور عدالت دونوں کی جانب سے قرار واقعی سزا ملنی چاہئے۔ خیر ماروی سرمد کی شکایت پولیس نے درج کر لی ہے اور خفیہ شواہد بہت جلد عدالت میں پیش ہو جائیں گے۔ عدالت کے فیصلے سے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔ حمد اللہ قصور وار ہیں تو انہیں سزا ہو گی اور ماروی سے زیادہ خوشی ہمیں ہوگی۔

اس ویڈیو میں جو کچھ موجود نہیں ہے اس پر تو خوب ہنگامہ ہو چکا، لیکن ان شور مچانے والے لوگوں اور حمد اللہ کے ساتھ سارے اسلام پسندوں کو کٹہرے میں کھڑے کرنے والوں سے ایک مؤدبانہ گزارش یہ بھی ہے کہ وہ ٹھنڈے دماغ سے ویڈیو میں جو شواہد موجود ہیں ان کو بھی دیکھنے کی زحمت گوارا فرمائیں۔

ویڈیو کے اندر دیکھا جاسکتا ہے کہ بیرسٹر مسرور نے اسلامی نظریاتی کونسل کو شدید تنقید کا نشانہ بنانے کے بعد مولانا شیرانی کو چرسی کے خطاب سے نواز دیا۔ بیرسٹر مسرور چونکہ ایک روشن خیال خاتون ہیں اس لئے ان کی یہ اہانت آمیز بہتان طرازی ایک نامعلوم شلوار کی آڑ میں چھپ گئی۔ کسی لبرل دانشور نے اس پر گرفت کرنے کی زحمت نہیں کی۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر سنیٹر حمد الہ کی بدزبانی قابل مذمت ہے تو کیا بیرسٹر مسرور کا اپنے مخالف کو چرسی کہہ کر پکارنا قابل ستائش ہے؟

اس پروگرام میں پہلے خواجہ آصف کے ذریعے شیریں مزاری کے خلاف نازیبا الفاظ کی مذمت کی جا چکی تھی اسی اصول کے مطابق حمد اللہ نے مولانا شیرانی کے لئے استعمال کئے جانے والے تضحیک آمیز لہجے کی مذمت کا بھی مطالبہ کیا۔ کیا یہ کوئی ناجائز مطالبہ تھا کہ جس پر ماروی نے طیش میں آکر تین بار اصرار کے ساتھ کہا کہ میں مسرور کی حمایت کرتی ہوں، کرتی ہوں کرتی ہوں، ماروی سرمد کی بہتان طرازی کی برسرعام حمایت پر بھی کوئی تنقید نہیں ہوئی، اس لئے کہ وہ خاتون ہونے کے ساتھ روشن خیال ہیں۔ اس حمد اللہ نے کہا اگر یہی بات تو میں آپ کو اپنے خیالات کے اظہار کی اجازت نہیں دوں گا۔ اور ہنگامہ ہو گیا، اور بقول ماروی کے حمد اللہ گالی گلوچ پر اتر آئے نیز شلوار والی دھمکی دے کر پروگرام سے چلے گئے۔ جسے نشر نہیں کیا گیا۔

حمد اللہ کی دھمکی اور گالی گلوچ یقیناً قابل مذمت ہے لیکن اسی الزام میں ماروی اعتراف کرتی ہیں کہ انہوں نے بھی حمد اللہ کی گالیوں کا ترکی بہ ترکی جواب دیا گویا گالیوں کا حساب تو بے باق ہو گیا۔ جہاں تک شلوار والی دھمکی کا سوال ہے تو وہ ویڈیو پر موجود نہیں ہے لیکن ماروی سرمد کا یہ چیلنج ضرور موجود ہے کہ ''تو اکھاڑ لے جو اکھاڑنا ہے''۔

اگر ایک سنیٹر کے لئے شلوار کا ذکر نامناسب ہے تو کیا ایک معزز دانشور کو اکھاڑنے پچھاڑنے کے لہجے میں للکارنا چاہئے جبکہ یہ الفاظ بھی گالی کے طور پر معروف ہیں۔ اگر کوئی کہتا ہے کہ ماروی سرمد کا یہ ردعمل حمد اللہ کی بدتمیزی کے خلاف تھا اور ابتداء حمد اللہ کی جانب سے ہوئی تھی تو یہ دعوی بھی غلط ہے۔ چنگاری تو بیرسٹر مسرور کے چرسی والے فقرے نے لگائی۔ اس کو ہوا دینے کا کام ماروی نے کیا اس لئے ردعمل کا اظہار حمد اللہ کی جانب سے ہوا لیکن اسلام کے خلاف آگ پھیلانے والوں کو چنگاری دکھانے والی اور ہوا دینے والی کیسے نظر آسکتی ہیں؟

اس تنازع سے ہٹ کر محترمہ ماروی سرمد کے خیالات اور لب ولہجہ کا بھی تجزیہ ہونا چاہئے۔ ایک انٹرویو وہ فرماتی ہیں کہ قائداعظم دوقومی نظریئے کے حامل نہیں تھے۔ یہ آدھا سچ ہے ایک زمانے تک جب وہ کانگریس میں تھے، ایسا تھا، لیکن آگے چل کر انہوں نے مسلم لیگ بنا کر قیام پاکستان کی تحریک چلائی، ان کے اس کارنامے کی لال کرشن اڈوانی تک نے پذیرائی کی اور اس کی بہت بڑی قیمت چکائی، لیکن ماروی اس کو تسلیم نہیں کرتیں بلکہ نصف سچ پر اصرار کرتی ہیں۔ دوقومی نظریات کی مخالف ماروی بلوچستان کی آزادی کی درپردہ حمایت کرتی ہیں اور مشرقی اور مغربی پنجاب کے تہذیبی اشتراک میں انضمام کا پہلو تلاش کرتی ہیں۔ اگر بلوچستان اور پنجاب پاکستان کے

نقشے سے غائب ہوجائیں تو صوبہ پختون خواہ کو افغانستان اور صوبہ سندھ کو گجرات و راجستھان میں شامل ہونے سے کون روک پائے گا؟ دونوں علاقوں میں سرحدی گاندھی کے وارث اور جیو سندھ کے اسلام دشمن حامی پاکستان سے بیزار بیٹھے ہیں۔ اس طرح پاکستان نام کا ملک دنیا کے نقشے سے اپنے آپ غائب ہوجائے گا۔

سیکولر حضرات جمہوریت اور دستور کی بالادستی کے بہت بڑے وکیل بنتے ہیں ایک ٹی وی مذاکرے میں جب ماروی صاحبہ سے پاکستانی دستور کی دفعات ۶۱ سے ۶۵ کا ذکر کیا گیا تو وہ دلیل یا منطق کی بنیاد پر ان کی خامیاں بیان کر کے اصلاح کی تجاویز پیش کرنے کے بجائے انہیں خرافات قرار دے کر مسترد فرمادیتی ہیں۔ کیا یہ رویہ درست ہے؟ اور اس بات کا ثبوت نہیں ہے کہ دلائل کی عدم موجودگی رعونت کا بھیس بدل لیتی ہے؟ اس صورتحال میں روشن خیالی کی کسوٹی یہ ہے کہ معزز خاتون کی خرافات کا مدلل جواب دینے کے بجائے اس کی دلیری پر تالیاں پیٹی جائیں۔ ان خیالات کا بے باکانہ اظہار پاکستان جیسے بنیاد پرست مذہبی ملک میں ہی ہوسکتا ہے ورنہ اگر کوئی ہندوستان جیسی عظیم جمہوریت میں ان کا اظہار کرے تو پتہ چلے گا کہ اس پر بغاوت کے کتنے الزامات لگتے ہیں؟ جے این یو کا معاملہ بہت پرانا نہیں ہوا ہے اور مقدمات کا فیصلہ ہونا ابھی باقی ہے۔

مملکت پاکستان کے ان روشن خیال دانشوروں کو ملالہ یوسف زئی کا تو بہت ملال ہے لیکن انہیں ڈاکٹر عافیہ صدیقی کی یاد شاذ و نادر ہی آتی ہے۔ ڈاکٹر عافیہ صدیقی کسی مدرسے کی طالبہ نہیں تھیں کہ انہیں کٹھ ملا کہہ کر نظر انداز کر دیا جائے۔ انہوں نے اعلیٰ تعلیم امریکہ کی ہوسٹن یونیورسٹی سے حاصل کی تھی۔ ان کے والد بھی برطانیہ سے طب کی تعلیم حاصل کر چکے تھے۔ عافیہ کے شوہر امریکہ میں آرکیٹیکٹ ہیں اور بہن فوزیہ دماغی امراض (نیورولوجی) کی ماہر ہیں۔ ڈاکٹر عافیہ صدیقی نے امریکہ کے عالمی شہرت یافتہ میسا چوسیٹس انسٹی ٹیوٹ آف ٹیکنالوجی (MIT) میں اپنی زندگی کے دس بہترین برس گزارنے کے بعد برینڈیز میں نیورولوجیکل سائنسز میں پی ایچ ڈی کی ڈگری لی اور سائنس داں کے طور پر معذور بچوں پر تحقیق کا کام انجام دیا۔

ان زبردست کامیابیوں کے باوجود ڈاکٹر عافیہ صدیقی روشن خیال طبقے کی نظر سے اوجھل ہیں کیوں کہ انہوں نے اعلیٰ سائنسی تعلیم کے ساتھ ساتھ دین اور فقہ کا علم حاصل کیا۔ اسلام، عیسائیت اور یہودیت کے موضوع پر تقابلی جائزہ اور تحقیق کی۔ امریکہ میں قیام کے دوران عافیہ نے اسلام کی دعوت کا کام کیا۔ M I T میں دوران تعلیم وہ اپنے ہم جماعت طلباء بلکہ جیل کے قیدیوں تک میں قرآن مجید کے تراجم اور اسلامی کتب تقسیم کرتی ہیں۔ عافیہ نے مقامی مسلم بچوں کے درجنوں گروپ ترتیب دے کر اختتام ہفتہ قرآنی قاعدہ پڑھانے کا اہتمام کیا۔ عافیہ نے بوسنیائی یتیم بچوں اور بیواؤں کے لیے فنڈ ریزنگ بھی کی۔ قیام امریکہ کے دوران ایک مرتبہ اسٹڈی سرکل میں پرامید عافیہ نے کہا تھا ''ہم خلوص اور تحمل سے اللہ کے دین کا کام کریں تو کیا عجب یہی امریکہ کل کو ایک اسلامی ریاست بن جائے''۔

حریت اور آزادی کا علمبردار امریکہ عافیہ کے حق تبلیغ کا احترام نہیں کر سکا۔ ان کے خاوند اور ان کو ہراساں کیا جانے لگا بالآخر وہ مادر وطن لوٹ آئیں۔ ۳۰ جون ۲۰۰۳ کو کراچی سے ڈاکٹر عافیہ صدیقی کو اغواء کیا گیا اور ۱۳ اگست کو بی سی سی نے رپورٹ دی کہ وہ زخمی حالت میں افغانستان کی جیل میں ہیں۔ مگر ان کے زخمی ہونے یا افغانستان پہنچنے کی تفصیل نہیں بتائی گئی، اس کے بعد یہ کہانی سنائی گئی کہ جب ایف بی آئی کے دو اسپیشل ایجنٹ، ایک آرمی وارنٹ آفیسر، ایک آرمی کیپٹن اور ایک بلیک واٹر کا ملٹری کمانڈو ڈاکٹر عافیہ سے تفتیش کرنے کے لئے غزنی محل میں پہنچے تو نہتی عافیہ موقع غنیمت جان کر امریکی وارنٹ افسر کی گن اٹھا کر ان پر فائر کرنے لگیں۔ اس پر امریکی بلیک واٹر اہل کار نے عافیہ کو فوراً دھکا دے کر نیچے گرادیا اور وارنٹ آفیسر نے سروس پستول سے عافیہ کو زخمی کر دیا۔ سیکولر

جمہوریت کے سرخیل امریکہ کی عدالت نے یہ دریافت نہیں کیا کہ عافیہ کی گولی باری سے کون زخمی ہوا؟ عافیہ کو کراچی سے اغواء کس نے اور کیوں کیا؟ امریکہ نے پانچ سالوں تک انہیں اپنی غیر قانونی حراست میں کیوں رکھا؟ بلکہ ان سوالوں کو پس پشت ڈالتے ہوئے ڈاکٹر عافیہ کو ۸۶ سال کی سزا سنادی۔ اس پر عافیہ نے کمال صبر و تحمل اور استقامت کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا اس عدالت کو شرم سے ڈوب مرنا چاہئے اور آسمان کی طرف انگلی اٹھاتے ہوئے خود کلامی کے عالم میں کہا اے اللہ میں آپ کی رضا پر راضی ہوں اور سر تسلیم خم کرلیا مگر ؎

کتاب سادہ رہے گی کب تک کبھی تو آغاز باب ہوگا
جنہوں نے بستی اجاڑ ڈالی کبھی تو ان کا حساب ہوگا
سحر کی خوشیاں منانے والو سحر کے تیور بتا رہے ہیں
ابھی تو اتنی گھٹن بڑھے گی کہ سانس لینا محال ہوگا

ڈاکٹر عافیہ صدیقی کی اس اسلام پسندی نے امریکہ کے چہرے سے حقوق انسانی کی نقاب نوچ کر پھینک دی اور یہی اسلان نوازی حقوق نسواں کے سیکولر حواریوں کی راہ کی رکاوٹ بن گئی۔ عافیہ صدیقی کو امریکہ کے ہاتھوں فروخت کرنے والا معتدل اسلام کا حامل پرویز مشرف تھا اور ان پر جھوٹے الزامات لگا کر انہیں سزا دینے والی حکومت دنیا کی سب سے عظیم جمہوریت امریکہ تھی، اس لئے ان دونوں کے خلاف آواز اٹھا کر اسلام کی بلا واسطہ حمایت کرنے کی غلطی یہ لوگ کیسے کر سکتے تھے؟ ان کو ڈاکٹر عافیہ اس لئے اچھی نہیں لگتیں کیونکہ ان کا آئیڈیل حضرت محمد ﷺ ہیں مگر ملالہ اس لئے پسند آتی ہے کیونکہ اس کا آئیڈیل اوباما ہے، باوجود اس کے اسی کے اشارے پر چلنے والے ڈرون سے معصوم لوگ ہلاک ہوتے ہیں۔ ملالہ حجاب اور داڑھی کی مخالفت کرتی ہے اسے برقعہ دیکھ کر پتھر کا زمانہ یاد آتا ہے اس لئے وہ امن کی فاختہ بنی ہوئی ہے۔ مملکت خداداد کی دونوں بیٹیاں فی الحال امریکہ میں ہیں۔ ایک اپنی اسلام پسندی کے باعث قید میں ہے اور دوسری اقوام متحدہ کے فورم میں تاکہ اسلامی شعائر کے خلاف اسے استعمال کیا جاسکے۔

اسلام کے خلاف زہر افشانی کے لئے مغرب اور اہل مغرب کے پاس سب سے بڑا مسلم ہتھیار مسلم خواتین کی حالت زار ہے بقول شاعر ؎

غلامی سے نکل کر قید آزادی میں عورت ہے
نئی تہذیب کے ہاتھوں میں تیغ بے ملامت ہے

ملالہ یوسف زئی کے ان خود پسند ہمدردوں کو اسماء خطیب بھی نظر نہیں آتیں جن کو مصر کی عدالت نے پھانسی کی سزا سنادی۔ ایسا اس لئے ہے کہ ان روشن خیال دانشوروں کو ملالہ کی آڑ میں اسلام کو بدنام کرنے کا جو نادر موقع حاصل ہوتا ہے وہ عافیہ یا اسماء کے ساتھ یکجہتی میں نہیں ہوتا۔ اس کے برخلاف اسماء اور عافیہ کے معاملہ میں سیکولر طبقہ ظالم بن کر سامنے آتا ہے اور اسلام پسند مظلوم نظر آتے ہیں۔ اس حقیقت کی عکاسی چونکہ گوناگوں مقاصد کے خلاف پڑتی ہے اس لئے اس بابت خاموشی اختیار کرلی جاتی ہے۔ اس کی ایک اور وجہ مغرب کی فکری غلامی ہے۔ ہمارے مغرب نواز صحافی یوروپ و امریکہ سے آنے والی ہوا کے رخ پر بہنے کے عادی ہوگئے ہیں اس لئے جن افراد و مسائل کو مغرب اپنے مفاد کے پیش نظر اہمیت دیتا ہے وہ ان حضرات کے لئے بھی اہم ہوجاتے ہیں اور جن سے وہ صرف نظر کرتا ہے وہ یہاں بھی نظر انداز کردیئے جاتے ہیں۔ اہل مغرب سے مرعوبیت آزادئ نسواں کے نام پر چلنے والی تحریک کے منافقانہ دعووں کا پول کھولتی ہے۔ ورنہ بقول فضا اعظمی صورتحال تو یہ ہے کہ ؎

اب اس دور ترقی میں زبوں ہے حال عورت کا
نہ وہ رسم کہن بدلی ، نہ وہ طرز سخن بدلا
نئی تہذیب لائی ہے نئے انداز سطوت کے
وہی دکھ ہیں وہی ہے دور استحصال جو کل تھا
حقوق بنت حوا کا نیا عنوان نکلا ہے
حکومت کی ہوس ہے اور آزادی کا دھوکا ہے

☆☆☆

نقطۂ نظر

نئی حکمت عملی اختیار کرنے کی ضرورت

پروفیسر محسن عثمانی ندوی

profmohsinusmani@gmail.com

آزاد ہندوستان میں مسلمانوں کی سیاسی اور سماجی رہنمائی کا کام مشوروں اور اپنی اصابت رائے کے ذریعہ مولانا ابوالکلام آزاد نے کیا، جمیعۃ العلماء ہند نے انجام دیا جس کی قیادت مولانا حفظ الرحمٰن اور مفتی عتیق الرحمٰن صاحب کے ہاتھ میں تھی یا کسی درجہ میں مسلم مجلس مشاورت نے انجام دیا جس کی قیادت ڈاکٹر سید محمود کے ہاتھ میں تھی بعد میں اس کی قیادت سید شہاب الدین کے ہاتھ میں آئی شمالی ہندوستان میں آل انڈیا مسلم مجلس نے سیاسی بیداری کا انجام دیا جس کی قیادت ڈاکٹر عبدالجلیل فریدی کے ہاتھ میں تھی ، کرالہ میں مسلم لیگ اور حیدراباد میں مجلس اتحاد المسلمین اور آسام میں مولانا بدر الدین اجمل کی پارٹی فعال اور کارساز سیاسی جماعت رہی، بہار میں مولانا سجاد نے آزادی سے پہلے انڈ پنڈنٹ بنائی تھی اس طرح مسلمانوں نے سیاسی شعور اور فکر کی بالیدگی کا ثبوت مختلف طریقوں سے دیا، تقسیم کے بعد کے جانگسل واقعات کے بعد امت مسلمہ کچھ نہ کچھ حرکت میں ضرور رہی لیکن وہ ایک بگولے کی طرح مضطر بے چین اور برباد رہی وہ ہاتھ پیر مارتی رہی، لیکن ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھی نہیں رہی، مذہبی میدان میں تبلیغی جماعت اور جماعت اسلامی سرگرم عمل رہی ، امارت شرعیہ بہار میں متحرک رہی، مسلم پرسنل لا بورڈ شریعت کی حفاظت کے لئے مخالف طاقتوں کے سامنے سد سکندری بنا رہا، خانقاہوں کا اور دینی مدارس اور دینی تعلیمی کونسل کا بھی رول رہا مولانا علی میاں نے پیام انسانیت کے پلیٹ فارم سے برادران وطن کو شرافت اور انسانیت کی دعوت دی، بحیثیت مجموعی امت مسلمہ غافل اور بے حسی اور بے شعوری کا شکار نہیں رہی۔ اگر ملت کے افق پر کامیابی کا کوئی ستارہ روشن نہیں ہوا تو اس کی وجہ علماء اور قائدین کی بے شعوری نہیں تھی بلکہ حالات کی سنگینی تھی، برادران وطن کی طرف سے مسلم دشمنی اور فرقہ پرستی کا رویہ تھا، فسادات کی آگ میں مسلمانوں کو جھونکا جاتا تھا اور تقسیم ملک کے بعد مصائب کے بادل کا امنڈ امنڈ کر چھا جانا تھا۔ ملک کی تقسیم کم از کم ہندوستانی مسلمانوں کے لئے صرف اور صرف خسارہ کا سودا رہی ہے، انگریزوں کی حکومت اور اس کے بعد کے دور میں جو آزاد ہندوستان کا دور ہے مسلمانوں کی حیثیت ایک ملبہ کے ڈھیر کی ہوگئی تھی اور صورت حال میں اب تک کوئی بڑا فرق نہیں آیا ہے وہ جو کبھی خسروئے اقلیم تھے ان کی زبان، تہذیب، تمدن، مذہب اور جان و مال ہر چیز معرض خطر میں تھی، حکومت کا چراغ پہلے ہی گل ہو چکا تھا معاشی طاقت بھی ختم ہوگئی تھی فسادات نے مسلمانوں کو پروانے کی خاک بنا ڈالا تھا، رنگا ناتھ مشرا کمیشن اور سچر کمیٹی کی رپورٹ کے مطابق مسلمانوں کی حیثیت دلتوں سے بھی بدتر ہوگئی ہے، کمیٹی کی سفارشات پر بھی عمل اس لئے نہیں ہوسکا کہ مسلمانوں کیلئے کوئی

مسلسل آواز بلند کرنے والا نہیں، عثمانیہ یونیورسیٹی پہلے ہی چھینی جا چکی اور اب مسلم یونیورسیٹی اور جامعہ ملیہ اسلامیہ جارحیت کی زد پر ہیں، انکاونٹر اور بے جا گرفتاریوں اور دہشت گردی کے الزامات کا بھی مسلمانوں کو سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس سے زیادہ بے عقلی کی کوئی بات نہیں ہے کہ یہ کہا جائے کہ ''مسلمان ترقی کر رہے ہیں''۔ ایسی بات اسی شخص کی زبان سے نکل سکتی ہے جو ذہنی اور فکری طور پر مفلس ہو گیا ہو یا غباوت کی بلند ترین چوٹی پر فائز ہو___!!

موجودہ افسوسناک صورت حال سے باہر نکلنے کے لئے اس ملک میں مسلمانوں کی سیاسی طاقت بہت ضروری ہے اور یہ سیاسی طاقت کیسے حاصل ہو اس پر علماء اور قائدین اور دانشوروں کو غور کرنے کی ضرورت ہے۔ اس بات کی دانستہ کوشش کی گئی ہے کہ مسلمان کم سے کم تعداد میں پارلیامنٹ اور اسمبلی میں پہونچیں، جن علاقوں سے مسلمانوں کا جیتنا یقینی تھا ان کو رزرو کونسٹی ٹنسی بنا دیا گیا، مسلمان سیاسی دانشوروں نے ظلم وزیادتی سے بچنے کیلئے اور جانگسل حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے کئی بار مسلم جماعتوں کا وفاق بنایا، مثال کے طور پڑ مجلس مشاورت اور ملی کونسل، لیکن ابھی تک ان کی سرگرمیاں ان کے دفتروں تک محدود رہی ہیں اور ان کا کوئی وزن ملک میں محسوس نہیں کیا گیا اور مسلمانوں کا کوئی مسئلہ وہ حل نہیں کر سکیں اور ان کے وجود سے مسلمانوں کی سیاسی طاقت میں کوئی اضافہ نہیں ہوا ؛ حالانکہ مسلمانوں کی سیاسی طاقت میں اضافہ ہی ان کے موجودہ مشکل مسائل کا حل ہے اور مسلمانوں کے موجودہ تمام مسائل سیاست میں ان کی بے وزنی کی وجہ سے پیش آتے ہیں ،اس بے وزنی اور ہلکے پن کو ختم کرنے کے لیے اور جارحیت کا دفاع کرنے کے لئے مسلم جماعات کا ادغام اور انضمام نہیں بلکہ باہمی تعاون اور اشتراک ضروری ہے، اور خدمت خلق اور فیض رسانی، نفع رسانی اور راحت رسانی کے ذریعہ برادران وطن کی تالیف قلب کی ضرورت ہے قرآن وحدیث میں خدمت انسانیت اور نفع رسانی اور دل بدست آوری اور حسن اخلاق کے جتنے احکام اور فضائل ہیں اتنے بائبل میں بھی نہیں ہیں لیکن بائبل کے ماننے والے خدمت خلق کا جتنا کام کرتے ہیں قرآن وحدیث پر ایمان رکھنے والے اس کا عشر عشیر بھی نہیں کرتے ہیں، خدمت خلق کے ذریعہ سے برادران وطن کے دلوں کو فتح کیا جاسکتا ہے اس وقت صورت حال یہ ہے کہ ہندوستان کی مختلف ریاستوں میں مسلمان کہیں پندرہ کہیں بیس اور کہیں تیس فی صد ہیں اور کہیں اس سے بھی زیادہ ہیں، اگر یہ تعداد تعلیم میں اور معیشت میں طاقتور ہو اور برادران وطن سے اس کے مضبوط سماجی تعلقات ہوں ،اور اس کی مناسب نمائندگی اسمبلی اور پارلیمنٹ میں ہو تو مسلمان اپنا سیاسی وزن منوا سکتے ہے، اس لیے مسلمانوں کا اصل ایجنڈا دینی اور اخلاقی تربیت وتعلیم کے ساتھ عصری تعلیم اور معیشت میں ترقی ہونا چاہیے اور پھر برادران وطن کے ساتھ روابط کے ذریعہ قانون ساز اداروں میں ان کی مناسب نمائندگی ہونا چاہئے، مسلمانوں کو مصائب اور جانگسل حالات کے دلدل سے نکالنا ایک دینی کام ہے اور اس کام کو دینی کام نہ سمجھنا اور صرف ذکر وفکر صبح گاہی کی تلقین کرنا فکر ونظر کی خامی ہے، افسوس ہے کہ ایسے خام فکر ونظر کے علماء موجود ہیں جو تعلیمی اور معاشی ترقی کو اور سیاست میں حصہ داری کو دنیا داری کا کام سمجھتے ہیں، یہ سب قصور اس بے شعوری کے ماحول کا ہے جس مین وہ رہتے ہیں اور جس میں انہوں نے تربیت پائی ہے جس کی وجہ سے انہیں سیاسی طاقت کی دینی اہمیت سمجھ میں نہیں آتی ہے۔

مختلف قوموں اور تہذیبوں اور مذہبوں کے ملک میں مسلمان تن

تنہا اپنی اس سیاسی طاقت کی تشکیل نہیں کرسکتے جو ان کو پارلیامنٹ اور اسمبلیوں اور قانون ساز اداروں تک پہونچائے اور شریک حکومت کرے، اس کے لئے برادران وطن سے اور خاص طور پر دیگر اقلیتوں سے اور پسماندہ طبقات سے رابطہ استوار کرنا ضروری ہے تاریخ بتاتی ہے کہ سماج کے کمزور طبقات ہمیشہ حق کو قبول کرنے میں پیش پیش رہتے ہیں، دو طرفہ تعلقات کی استواری مسلمانوں کی دینی اور دعوتی ضرورت بھی ہے اور سیاسی ضرورت بھی ہے۔ صفا کی پہاڑی سے جب پیغمبر خدا ﷺ نے آواز دی تھی تو قریش اور مکہ کے سربرآوردہ لوگ اس آواز پر جمع ہوگئے تھے اب اگر مسلمان غیر مسلموں کو بلائیں تو مشکل سے چند لوگ جمع ہوں گے، اب وہ رابطہ ٹوٹ گیا ہے اور مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان کمیونیکیشن گیپ پیدا ہوگیا ہے، پہلی فرصت میں اس حائل خلیج کو ختم کرنے کی ضرورت ہے، تمام مسلم جماعتوں تنظیموں اور اداروں کے پاس غیر مسلموں سے رابطہ کا ایک اہم، سرگرم، کارگر، کارگذار اور کارپرداز اور متحرک اور فعال شعبہ ہونا چاہئے، اس شعبہ کے قیام اور اس عظیم کام کا مقصد اسلام اور مسلمانوں سے برادران وطن کو قریب کرنا ہے اور ضرورت مندوں کی خبر گیری کرنا ہے اور رفاہی کام بھی انجام دینا ہے اگر اس منصوبہ کا مقصد تالیف قلب ہے اور مسلمانوں کے بارے میں غلط فہمیوں کو دور کرنا ہے اور اسلام کیلئے کشش پیدا کرنا ہے اور دشمنوں کے شر سے مسلمانوں کو محفوظ کرنا ہے تو مؤلفۃ القلوب کی مد کی زکات بھی اس پر خرچ کی جاسکتی ہے۔ دینی ادارے مسلمانوں سے زکاۃ کی رقم وصول کرتے ہی ہیں اور اب بہت سے ادارے تملیک کے حیلہ اور کسی تکلف کے بغیر عمارتوں کی تعمیر پر اور تنخواہوں پر زکاۃ کی رقم خرچ کرنے لگے ہیں اس لئے زکاۃ کا کچھ حصہ مسلم جماعتیں مؤلفۃ القلوب کے مد کے لئے مخصوص کرسکتی ہیں اور اس حصہ کو مسلمانوں کو جارحیت سے بچانے اور سیاسی طاقت کے حصول پر بھی خرچ کیا جاسکتا ہے، کیونکہ سیاسی طاقت کا حصول اور جارحیت کا دفاع دلوں کو فتح کئے بغیر اور برادران وطن کو قریب کئے بغیر ممکن نہیں ہے۔ قرآن میں زکاۃ کے مصارف میں مؤلفۃ القلوب کا ذکر آیا ہے، یعنی تالیف قلب کے لئے بھی زکاۃ کی رقم خرچ کی جاسکتی ہے، کسی کو غلط فہمی نہ ہو کہ ہم زکاۃ کو غیر مسلموں کو عمومی طور پر دینے کی حمایت کررہے ہیں لیکن زکاۃ کے مصارف میں مؤلف القلوب کی مد بھی شامل ہے جو خاص طور پر غیر مسلموں کے لئے ہے اور جسے حضرت عمر نے یہ کہہ کر ختم کردیا تھا کہ اب اسلام کو عزت اور طاقت حاصل ہوگئی ہے اب اس کی ضرورت نہیں۔ لیکن ظاہر ہے کہ اسلام کی بے کسی اور مسلمانوں کی بے بسی جب بھی دوبارہ واپس آئے گی تو لوگوں کو اسلام کی طرف راغب کرنے اور مسلمانوں کو اصحاب اقتدار کے شر سے بچانے کے لئے زکاۃ کی اس مد کا دوبارہ استعمال درست ہوگا۔ اس مد کا استعمال انفرادی طور پر مسلمان نہ کریں بلکہ مسلمانوں کی جماعتوں کو یہ حق دیا جائے، یعنی جمیعۃ علماء جماعت اسلامی، وحدت اسلامی، امارت شرعیہ مسلم مجلس مشاورت اور ملی کونسل، مسلم پرسنل لا بورڈ اور اتحاد المسلمین جیسے اداروں کو یہ حق دیا جائے جو ہندو تنظیموں کے لیڈروں کو اور ہندوؤں کے سماجی قائدین کو اپنے یہاں مدعو کرسکیں اور ان سے رابطہ استوار کرسکیں تبادلہ خیال کرسکیں مذاکرات کرسکیں شروع اسلام کے زمانہ میں بھی یہ کام ہیڈ آف دی اسٹیٹ کی طرف سے ہوتا تھا، انفرادی طور پر نہیں ہوتا تھا، آج مسلمانوں کی جماعتیں بہت قابل قدر کام کررہی ہیں۔ مثال کے طور پر جھوٹے الزامات میں مسلمانوں کی گرفتاریاں ہوئیں جمیعۃ علماء نے کیس لڑکر بے قصور لوگوں کو

رہائی دلائی بلاشبہ یہ قابل قدر کام ہے لیکن جمیعۃ علماء کے پاس اس کا کیا منصوبہ ہے کہ سرے سے گرفتاریاں نہ ہوں اور پولیس کا ظلم نہ ہو اور مسلمانوں کے خلاف فرقہ پرستی ختم ہو۔ راقم الحروف کے نزدیک یہ کام سیاسی طاقت حاصل کئے بغیر نہیں ہوسکتا ہے اور سیاسی طاقت کے لئے باہمی اتحاد کے ساتھ برادران وطن کے دلوں کو جیتنا اور مخالفوں کو بے اثر کرنا ضروری ہے، اور میرے نزدیک اس کام کے لئے مؤلفۃ القلوب کی مد زکاۃ استعمال ہوسکتی ہے، یہ تجویز باشعور علماء دین اور مفتیان شرع متین کے غور وتدبر کے لئے ہے کہ وہ اس پر غور کریں، یہاں پر اتنا ذکر کرنا مناسب ہے کہ اس مسئلہ پر علماء سلف مختلف الخیال ضرور رہے ہیں لیکن امام مالک، امام شافعی ر امام احمد بن حنبل کے نزدیک مؤلفۃ القلوب کی مد ختم نہیں ہوئی ہے، بعض علماء احناف کی رائے بھی یہی ہے امام ماوردی نے یہی رائے الاحکام السلطانیہ میں لکھی ہے ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ جو چیز قرآن سے ثابت ہے اس کے خلاف اگر کوئی اجماع ہو جب بھی وہ چیز ختم نہیں ہوسکتی ہے۔ اگر برادران وطن سے رابطہ کا کام دینی اداروں اور جماعتوں کے ذریعہ ہو تو ایمان اور اخلاق کی خوشبو بھی پھیلے گی اور پیام انسانیت کی تحریک کو بھی فروغ حاصل ہوگا اور لوگ اسلام کے اندر کشش بھی محسوس کریں گے مسلمانوں کے بارے میں اچھا تاثر بھی قائم ہوگا اور مسلمانوں کے بارے میں جو غلط فہمیاں ہیں یا پیدا کی جارہی ہیں اس زہر کا تریاق مہیا کیا جاسکے گا، فرقہ پرستی کے سیلاب کو روکا جاسکے گا اور مسلمانوں کی سیاسی بے وزنی اور حاشیہ نشینی ختم کی جاسکے گی۔ مسلمانوں کی سیاسی طاقت کے لئے اور وقار اعتبار حاصل کرنے کیلئے اور ان کے جائز مطالبات کی حمایت کے لئے جمہوریت کے اس دور میں ملک کے باشندوں کی ہم نوائی ضروری ہے۔ ہم یہاں مسلمانوں کی الگ سیاسی پارٹی کے موضوع پر کچھ کہنا نہیں چاہتے ہیں لیکن مسلمان اگر اپنی سیکولر سیاسی پارٹی بنائیں تب بھی کامیابی اکثریت کو ساتھ لئے بغیر حاصل نہیں ہوسکتی ہے۔ چار مینار اور اس کے چاروں اطراف مسلمانوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر ایک استثنائی حیثیت رکھتا ہے، جہاں برادران وطن کے ووٹ کے بغیر بھی مسلمان الکشن جیت سکتے ہیں۔ مسلم تنظیموں اور اداروں کو بدلے ہوئے حالات میں نئی حکمت عملی اختیار کرنے کی ضرورت ہے اس بات کی بھی ضرورت ہے کہ ہم قانون ساز اداروں میں برادران وطن کے تعاون سے ایسے مسلمانوں کو پہونچائیں جو حق کے لئے آواز بلند کرسکیں اور مسلمانوں کے لئے رزرویشن اور اس جیسے دوسرے مسائل پر اپنی زبان کھول سکیں، خاموش تماشائی نہ رہیں۔ یہ بنیادی بات گرہ میں باندھ لینے کی ہے کہ جب تک مسلمانوں کے پاس قابل لحاظ سیاسی قوت موجود نہ ہوگی ان کے زخم مندمل نہیں ہوں گے۔ یہی مفہوم ہے اقبال کے اس شعر کا

حفاظت پھول کی ممکن نہیں ہے
اگر کانٹوں میں ہو خوئے حریری

موجودہ سنگین حالات میں مسلمانوں کی حکمت عملی کے یہ تین پہلو ہیں جن پر پوری توجہ کی ضرورت ہے ا۔ نئی نسل کی دینی اور اخلاقی تربیت اور کردار سازی کی طرف توجہ ۲۔ مسلمانوں کی تعلیم اور معیشت کی طرف توجہ ۳ برادران وطن سے تعلقات قائم کرنے اور ان کے دلوں کو جیتنے کی طرف توجہ اور اس کام کے لئے مسلم جماعتوں اور تنظیموں کی جانب سے بہتر منصوبہ بندی۔

☆☆☆

تجزیہ

اسلامی اور غیر اسلامی تنظیموں کی غلطیاں

ایک دوھرا معیار

ڈاکٹر ایم۔اے۔سلومی

info@3rdsector.org

اسلامی تنظیمیں: حقیقی اور مبینہ غلطیاں: یہ بات اسلامی رفاہی اداروں کی گونا گوں کامیابیوں کے بارے میں نہیں، بلکہ چند غلطیوں کے بارے میں ہے جو بعض اسلامی تنظیموں، ان کے علاقائی دفاتر، ان کے ملازمین یا ان سے منسلک رضا کاروں سے سرزد ہوئیں۔ اس میں کچھ غلط فہمیوں کا تذکرہ ہے جس کی وضاحت نہایت ضروری ہے۔

اسلامی رفاہی تنظیموں کے لیے کام کرنے والے بعض افراد ان غلطیوں کی نشاندہی کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ ایسی غلطیاں دوسرے شعبوں میں بھی ہوتی ہیں اور بکثرت ہوتی ہیں، یہ غلطیاں بعض اوقات ان کے خیراتی کاموں کی نہاد ہی میں خلقی طور پر موجود ہیں، مگر یہ چند ایک ہی ہوتی ہیں جیسا کہ محاورتاً کہا جاتا ہے: ''جو غلطیاں نہیں کرتا، وہ کچھ بھی نہیں کرتا'' وہ غلطیاں یہ ہیں:

۱۔ حکومت سے تعلق: غیر سرکاری رفاہی سیکٹر، ایک عالمی سطح کا سیکٹر ہے جو پبلک گورنمنٹ سیکٹر اور پرائیویٹ بزنس سیکٹر سے الگ تھلگ رہ کر اپنا کام کر رہا ہے۔ اس سیکٹر کی کامیابی، اس کے آزادرہ کر کام کرنے کا ثمر ہے۔ اس کی قوت کار از اس کی پروئیویٹ انتظامیہ میں مضمر ہے، سرکاری انتظامیہ میں نہیں ہے۔ ہر چند یہ حکومت کو سپورٹ کرتا ہے مگر یہ اس سے آزاد ہوتا ہے۔ اسی طرح اس کی عرفیت بعض ملکوں میں خود مختار (Independent) سیکٹر اور بعض ملکوں میں غیر سرکار (Non-Governmental) سیکٹر اور دیگر چند ممالک میں غیر منافع بخش سیکٹر ہے۔ اقوام متحدہ اسے تیسرا سیکٹر کہتی ہے کیوں کہ یہ اول (سرکاری) سیکٹر یا دوم (بزنس) سیکٹر کا حصہ نہیں ہوتا۔

متعدد پورٹوں، تجزیوں اور مہمات میں دانستہ یا نادانستہ طور پر اس کا منفی طور پر ذکر کیا جاتا ہے۔ عرب دنیا میں بالعموم اور خلیجی ممالک اور سعودی عرب میں بالخصوص رفاہی کام کو حکومت سے منسلک گورنمنٹ سیکٹر کا حصہ گورنمنٹ ایجنڈے کا تابع اور سرکاری حکام کے زیر انتظام ظاہر کیا جاتا ہے۔ یہ الحاق، تعلق یا نسبت (Affiliation) ظاہر کرنا ایک غلطی ہے جس کے لیے حکومتیں اور رفاہی تنظیمیں یکساں طور پر ذمہ دار ہیں۔ اس ''تعلق'' پر اظہار خیال سے پہلے ہم اس سے متعلقہ چند تجزیوں کا جائزہ لینا چاہتے ہیں:

رفاہی ہلال "The charitable crescent" کے مصنفین بینتھل اور بیلین لکھتے ہیں: ''سعودی فاؤنڈیشنز کی ایک بڑی تعداد اپنی مطبوعات میں اگرچہ خود کو بطور ''وقف'' ظاہر کرتی ہے مگر انہیں سیاسی پشت پناہی حاصل ہے اس لئے انہیں ''GONGOs'' (گورنمنٹ آرگنائزڈ نان گورنمنٹ آرگنائزنز) کہا جائے تو زیادہ مناسب ہوگا۔''

مصنفین اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ کئی حکومتیں رفاہی تنظیموں کو سیاسی مقاصد کے لیے استعمال کرتی ہیں لیکن حکومت کی طرف سے اس سیکٹر کے انتظامات میں حصہ لینے کی کسی خواہش یا کوشش کو قبول نہیں کیا جاتا۔ ''اس جائزے کا ایک ماحصل یہ ہے کہ کوئی

رفاہی تنظیم یا ادارہ سیاسی اثرات سے محفوظ نہیں۔ اسے ملنے والی ترقیاتی امداد خاص طور پر سیاسی مصلحتوں کے تابع ہوتی ہے۔''

ان کے خیال کے مطابق تمام تنظیموں کے نجی ایجنڈے ہوتے ہیں جو ان کی حکومتوں کے سیاسی مفادات کو تقویت پہنچاتے ہیں۔ امریکی انتظامیہ رفاہی سیکٹر کے حکومتوں کے ساتھ روابط کو سیاسی طور پر تکلیف دہ سمجھتی ہے۔ اس سلسلے میں درج ذیل اقتباسات امریکہ کی پریشانیوں پر خاصی روشنی ڈالتے ہیں: ''دستاویزات سے یہ بات پوری طرح واضح ہو چکی ہے کہ سعودی رقوم متعدد ذرائع سے آرہی ہیں اور وہ سب ذرائع سعودی شاہی خاندان کے کنٹرول اور مرضی کے تابع ہیں (جب کہ بعض رقوم براہ راست شاہی خاندان کے سینئر ارکان کی طرف سے بھی آرہی ہیں)۔

فنڈنگ کا سب سے بڑا منبع سعودی کمیٹی برائے امدادِ انتفاضہ ہے۔ یہ ایک سرکاری ایجنسی ہے جسے وزیر داخلہ شہزادہ نائف بن عبدالعزیز چلا رہے ہیں۔''

''خارجہ پالیسی کے معاملے میں نائف کی طرف سے ''توحید کی تائید کے معنی جہاد کی کوششوں میں مدد دینے کے ہیں، چنانچہ سعودی فنڈ برائے تائید فلسطینی انتفاضہ کی صدارت شاہ عبداللہ نہیں بلکہ نائف کرتے ہیں۔''، ''دی واشنگٹن پوسٹ'' کے ڈیوڈ اٹاوے نے اس تعلق کو منفی معنوں میں لیتے ہوئے کہا: ''وزیر اسلامی امور صالح الشیخ سعودی حکومت کی طرف سے چلائی جانے والی ایک رفاہی تنظیم الحرمین کے براہ راست سپر وائزر ہیں۔'' ایک اور جگہ وہ کہتا ہے: ''سعودی مشنری ورک اور سان ڈیگو میں دہشت گردوں کی مالی مدد کے شبہات ان کروڑوں ڈالرز کی فراہمی سے بچنے والی تباہ کاری کے خطرات کی طرف اشارہ کرتے ہیں جو سعودی عرب دنیا بھر میں مذہب کے فروغ کے نام پر دے رہا ہے''۔

''ایک اور قابلِ توجہ بات الحرمین اسلامک فاؤنڈیشن کی طرف سے دنیا بھر میں فنڈز کی فراہمی ہے، یہ سعودی حکومت کے تعاون سے چلنے والا بہت بڑا رفاہی ادارہ ہے جو وہابیت کی تبلیغ کے لئے قائم ہوا ہے، اسے یونائیٹڈ سے آف سعودی عربیہ بھی کہا جاتا ہے۔''

''نیشنل ریویو آن لائن'' میں جوش لیفکو وٹز اور جوناتھن لیون کا ایک آرٹیکل چھپا ہے جس میں ''انٹرنیشنل اسلامک ریلیف آرگنائزیشن'' (IIRO) کو ''مسلم ورلڈ لیگ'' (MWL) کا بازوئے رفاہی امداد قرار دیا گیا ہے۔ یہ لیگ، سعودی حکومت کا نیم سرکاری مشنری اور پروپیگنڈہ کرنے والا ادارہ ہے۔ مارچ 1997ء میں ''MWL'' کے سکریٹری جنرل عبداللہ العبید نے شاہ فہد کا اس بات پر شکریہ ادا کیا کہ وہ اس ادارے کی مسلسل مدد کر رہے ہیں، انہوں نے کہا کہ ''سعودی حکومت نے 1962ء سے اب تک مسلم ورلڈ لیگ کو سرکاری طور پر ایک ارب 33 کروڑ ڈالر سے زیادہ مالی مدد دی ہے۔''

جارج ٹاؤن یونیورسٹی کے ایک سکالر جان ایل ایسیوزیٹو نے کہا کہ سعودیوں نے اپنی تبلیغی مساعی کے ذریعے امریکہ کمیونیٹی میں ''بالکل نرالی قسم کا اسلام متعارف کرایا ہے جو انہیں یہاں کے معاشرے سے الگ تھلگ رہنے پر اکساتا ہے۔''

''دنیا بھر میں وہابی اسلام کی برآمد 1962 میں اس وقت شروع ہوئی جب سعودی عرب کے حکمران خاندان نے اسلامی اتحاد کے فروغ کے لیے مکہ میں مسلم ورلڈ لیگ کی بنیاد ڈالی۔ در اصل وہ مصری لیڈر جمال عبدالناصر کے آتشین پین عرب نیشنلزم کا توڑ چاہتے تھے، ناصر کی عرب قومیت کا مقصد سعودی بادشاہت کا تختہ الٹنا تھا۔''

''11\9 کمیشن رپورٹ'' نے سعودی عرب میں رفاہی کاموں کے خطرات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ یہ کام سرکاری سیکٹر سے منسلک ہیں۔ کمیشن کے الفاظ میں: ''سعودی حکومت اور الحرمین، دونوں کا ہر چند یہی کہنا ہے کہ الحرمین ایک پرائیوٹ تنظیم ہے مگر یہ بڑی حد تک حکومت ہی سے منسلک ہے۔ حکومت کے دو وزراء کا الحرمین میں سپروائزری رول (برائے نام یا عملاً بہت زیادہ) ہے۔ اس امر کے شواہد بھی موجود ہیں کہ چند نچلے درجے کے سعودی حکام، ملک سے باہر ''حرمین

انٹرنیشنل فاؤنڈیشن'' کے مختلف دفاتر میں خاصا اثر ورسوخ رکھتے ہیں۔سعودی حکومت نے اس کے لیے کثیر مالی مدد دی ہے،اگر چہ حالیہ چند برسوں میں یہ امداد قدرے کم ہوگئی ہے۔'' رپورٹ میں اس تعلق کے منفی پہلوؤں پر زور دیتے ہوئے کہا گیا:

''سعودی عرب میں مذہبی اور شہری (civic) اور حکومتی اور مذہبی فرائض اور کردار آپس میں گندھے ہوئے ہیں،اس سے سعودی حکومت کے لیے بہت سی پیچیدگیوں نے جنم لیا ہے۔'' مذہبی رفاہی کاموں اور سعودی حکومت کے ربط وتعلق کا حوالہ دیتے ہوئے رپورٹ میں کہا گیا:''حکومت کی طرف سے دہشت گردوں کی مالی مدد کو اندرونِ ملک بھی ناپسندیدہ سمجھا جاتا ہے۔ حکومت نے سال ہا سال تمام مذہبی سرگرمیوں بشمول خیرات و زکاۃ کو مذہبی اداروں کے سپرد کیے رکھا اور اس گروپ کو چیلنج کرنا مناسب نہیں سمجھا،اب اس کے لیے خیراتی کاموں،مساجد اور مذہبی عطیات سے متعلق سرگرمیوں پر کنٹرول بڑھانا اور انہیں ملک کے استحکام کے لیے خطرہ نہ بننے دینا ایک چیلنج بن چکا ہے۔''

''واشنگٹن انسٹی ٹیوٹ فارنیئر ایسٹ پالیسی'' کے میتھو لیویٹ نے سینٹ کی جوڈیشری سب کمیٹی برائے انسداد دہشت گردی کے روبرو شہادت دیتے ہوئے کہا:

''بیرونی ممالک میں مقیم سعودی سفارتی عملہ مغرب اور بالخصوص امریکہ و یورپ میں کام کرنے والی انقلابی اسلامی تنظیموں کو مالی امداد فراہم کرنے میں نہایت اہم کردار ادا کر رہا ہے،برلن میں سعودی فنڈز سے قائم ہونے والی النور مسجد سے وابستہ اسلامی انتہا پسندوں کی ایک طویل فہرست موجود ہے۔''

''بہت سی رفاہی تنظیموں کو سعودی عرب کے شاہی خاندان یا وہاں کے حکمراں طبقے کے ارکان سے خطیر رقوم مل رہی ہیں۔''

''دہشت گردوں کی مالی امداد بند کرانے کے لیے سعودی مساعی کا اصل ٹیسٹ یہ ہے کہ حکومت اپنے اعلیٰ طبقے سے جواب طلبی کرے کہ کیا وہ دہشت گردوں کی مدد کرنے والی بزنس کلاس کے ممتاز افراد پر کریک ڈاؤن کرنے کے لیے تیار ہے جو بیک وقت شاہی خاندان سے بھی منسلک ہیں اور رفاہی تنظیموں اور بنکوں سے بھی گہرے روابط رکھتے ہیں۔'' جیسا کہ ایک اعلیٰ امریکی افسر نے ستمبر 2003ء میں ''ٹائم'' کو بتایا.....سعودی حکام ابھی تک شاہی خاندان اور اس ''نیشنل ریویو آن لائن'' نے لکھا:''صالح الشیخ وہی شخص ہے جو الحرمین کے بورڈ آف ڈائریکٹرز کا چیئرمین ہے،وہ ''ورلڈ اسمبلی آف مسلم یوتھ'' (WAMY) کا صدر ہے۔ .....سب کو معلوم ہے کہ حکومت کے بین الاقوامی اسلامک ریلیف آرگنائزیشن (IIRO)،مسلم ورلڈ لیگ (MWL) ورلڈ اسمبلی آف مسلم یوتھ (WAMY) کے ساتھ گہرے روابط ہیں،اس کا ان تنظیموں کے خلاف برملا کوئی قدم نہ اٹھانا حیرت کی بات نہیں۔''

اسرائیلی مصنف ڈور گولڈ رفاہی کاموں سے سعودی حکومت کا تعلق ثابت کرنے کے لئے بہت پر جوش رہتا ہے،وہ لکھتا ہے:

''حالیہ برسوں میں سعودی حکومت اور اس کی وہابی رفاہی تنظیموں کے درمیان جو ربط وضبط رہا ہے اس کے بارے میں کینڈا کی ایک عدالت میں ''مسلم ورلڈ لیگ'' کے ایک مقامی نمائندے نے بڑی وضاحت کے ساتھ ثبوت پیش کیے ہیں، اس نے عدالت میں کہا:

''مجھے یہ کہنے کی اجازت دیجیے کہ مسلم ورلڈ لیگ بین الاقوامی اسلامک ریلیف آرگنائزیشن (IIRO) کی ماں ہے، یہ مکمل طور پر سرکاری فنڈز سے چلنے والی تنظیم ہے۔بالفاظ دیگر میں سعودی گورنمنٹ کے لیے کام کر رہا ہوں۔ثانیاً IIRO اسی تنظیم کی امدادی شاخ ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم سب، اپنی جملہ سرگرمیوں اور منصوبوں کے لحاظ سے مکمل طور پر حکومت سعودی عرب کے کنٹرول میں ہیں۔''

سینیٹر جان کائل نے یہ کہہ کر اس ''تعلق پر زور دیا:

''یہاں اس چیز کو واقعی سامنے لانے کی ضرورت ہے کہ سعودی عرب کے ان دعووں کے برعکس کہ الحرمین ،مسلم ورلڈ لیگ (MWL)، ورلڈ آف مسلم یوتھ (WAMY) اور بین الاقوامی اسلامک ریلیف آرگنائزیشن (IIRO) خود مختار اور غیر سرکاری

ادارے ہیں، سعودی ذرائع ہی سے اس بات کا دوٹوک ثبوت ملتا ہے کہ وہ حکومت کے کڑے کنٹرول میں ہیں اور انہیں کم وبیش سرکاری افسر ہی چلاتے ہیں۔ اور یہ بات بھی ایک حقیقت ہے کہ مملکت نے 1993 میں یہ قانون بنادیا تھا کہ مسلم رفاہی تنظیموں کو دیے جانے والے جملہ عطیات اس فنڈ میں شامل کرکے اکھٹے کیے جائیں جو ایک سعودی شہزادے کے کنٹرول میں ہے۔''

سائمن ہینڈرسن، جس نے سینٹ کی جوڈیشل کمیٹی کے سامنے شہادت دی تھی، اس کے خیال میں سرکاری اور پرویٹ سرگرمیاں آپس میں خلط ملط ہوگئی ہیں، اس نے کہا: ''اس میں حکومت سے منسلک اسلامی رفاہی تنظیموں کی معرفت منتقل ہوتی ہے۔'' اس نے کہا:

''سعودی عرب نے کچھ اور تنظیمیں بھی قائم کر رکھی ہیں جن کے بارے میں اس کا دعویٰ ہے کہ وہ غیر سرکاری ہیں۔ وہ سعودی حکومت کے مقاصد کی تکمیل کا ذریعہ ہیں اور سعودی افراد کی طرف سے صدقہ خیرات بھیجنے کا ایک ذریعہ ہیں۔''

اس نے مزید کہا کہ سعدی ہائی کمیشن برائے امداد بوسنیا و ہرزیگوینا نے وہاں مسجدوں، اسکولوں، ثقافتی مراکز اور یتیم خانوں کی تعمیر پر 60 کروڑ ڈالر خرچ کیے، یہ کمیشن شاہ فہد کے سگے بھائی گورنر ریاض شہزادہ سلمان نے 1993 میں قائم کیا تھا۔

.....''سعودی وزیر اسلامی امور اور ورلڈ اسمبلی آف مسلم یوتھ (WAM) کے صدر شیخ صالح الشیخ بھی الحرمین اسلامک فاؤنڈیشن کی جملہ سرگرمیوں کی دیکھ بھال کرتے ہیں.....شاہ فہد، شہزادہ سلطان اور شہزادہ سلمان جیسی شاہی خاندان کی بڑی بڑی شخصیات کا عمل دخل بھی رہتا ہے، اس لیے یہ اندازہ کرنا مشکل ہے کہ شہزادے کا سرکاری کردار کہاں ختم ہوتا ہے اور اس کی نجی سرگرمیاں کہاں سے شروع ہوتی ہیں۔''

اصولی طور پر اس امر میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ رفاہی تنظیمیں شہری گروپوں سے تعلق رکھتی ہیں اور دائرہ حکومت سے باہر ہیں مگر حکومت اپنے عدالتی سیکٹر کے ذریعے ان کی مانیٹرنگ کرتی ہے۔ حکومت کی نگرانی شروع میں بالکل برائے نام ہوتی تھی مگر بعد کے برسوں میں اس کا دائرہ پھیلتا اور اثر ورسوخ بڑھتا چلا گیا۔ اب مملکت عدالتی استصواب (Judicialreference) اور ضمانتوں ان رفاہی تنظیموں کی کسی قسم کی غلطیوں پر ان کا مواخذہ کرسکتی ہے۔

جوڈیشل برانچ کسی بھی دوسری تنظیم کی طرح رفاہی تنظیموں کا بھی محاسبہ کرسکتی ہے، اگر ان سے کوئی غلطی ہوجائے تو انہیں باقاعدہ جواب طلبی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

نجی رفاہی سیکٹر میں سرکاری سیکٹر کی مداخلت ایک بنیادی غلطی ہے کیوں کہ یہ سیکٹر دنیا بھر میں نجی سیکٹر شمار ہوتا ہے، اسے حکومت کے اثر ونفوذ سے مکمل طور پر آزاد وخودمختار ہونا چاہیے۔ اگر یہ ریاستی سیکٹر (غیر سرکاری سیکٹر) کا حصہ ہو تو محفوظ اور طاقتور ہوتا ہے، مگر اسے حکومت کا حصہ نہیں ہونا چاہیے۔ اس کے ساتھ ساتھ ملک میں ایک انصاف پسند اور خودمختار عدالتی نظام بھی موجود ہونا ضروری ہے۔

اس کی وجہ سے نجی رفاہی سیکٹر حکومتوں اور سرکاری افسروں کے سیاسی اور انتظامی دباؤ کا مقابلہ کرسکتا ہے۔ مثال کے طور پر برطانیہ نے جب شمالی آئرلینڈ کے باغیوں کو امریکہ میں قائم این جی اوز کی طرف سے مدد ملنے پر احتجاج کیا تو امریکہ نے یہ عذر پیش کیا تھا کہ وہ امریکی این جی اوز کی سرگرمیوں کے لیے جوابدہ نہیں ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ حکومتیں اس انتظامی ساخت، یعنی ان سرکاری، نجی اور رفاہی سیکٹروں کے ایک دوسرے سے الگ ہونے کی بنا پر رفاہی تنظیموں کی ذمہ داری قبول کیے بغیر ان کے کاموں سے فائدہ اٹھاتی ہیں۔ امریکی حکومت ہی کو لے لیجئے کہ وہ رفاہی یا مذہبی کام اپنے کھاتے میں نہیں ڈالتی، اسے حکومت کے فرائض یا اقدام کا حصہ نہیں سمجھتی لیکن دوسرے طریقوں سے ان کی بڑی حمایت کرتی ہے، ان کے دائرہ کار کو سرکاری زمرے سے الگ تھلگ رکھنے کا پورا اہتمام کرتی ہے تاکہ ان کی غلطیوں یا زیادتیوں کی ذمہ داری اور جوابدہی سے

پہلو تہی کر سکے۔ تاہم امریکی انتظامیہ پر غالبا اپنے مسیحی مذہبی میلان یا اپنے مذہبی عقائد کی بنیاد پر اس اصولِ نظم ونسق (Administrative Principle) کو توڑنے کا الزام لگایا جاسکتا ہے۔اس کی چند مثالیں یہ ہیں:

امریکی حکومت مذہبی رفاہی تنظیموں کو وائٹ ہاؤس کی وساطت سے مالی گرانٹس دیتی ہے۔ 2002 میں 500 سے زائد مذہبی تنظیموں میں گرانٹس بانٹی گئیں۔ان میں سے 21 کو مجموعی طور پر ڈھائی کروڑ ڈالر دیے گئے۔جن میں ایک ''آپریشن بلیسنگ انٹرنیشنل تھی اس کا ہیڈ کوارٹر ورجینیا میں ہے۔انتہا پسندانہ دائیں بازو کے نظریات کا حامل ایونجلسٹ پیٹ رابرٹسن اس کا صدر ہے جو پہلے ہی اپنے مشہور ٹی وی پروگرام ''دی 700 کلب'' کے ذریعے رقم اکٹھی کرتا آرہا ہے۔ 200 کے موسم خزاں میں محکمہ صحت وانسانی خدمت نے رابرٹسن کی ''آپریشن بلیسنگ انٹرنیشنل کو مذہبی گرانٹ کے طور پر 5 لاکھ ڈالر دیے۔''

بش انتظامیہ نے امریکی تاریخ میں پہلی بار ''دی وائٹ ہاؤس آفس آف فیتھ بیسڈ اینڈ کمیونیٹی انیشیٹو'' (OFBCI) کے نام سے مذہبی امور کا دفتر قائم کیا۔ اس کے بعد مذہبی تنظیموں کی سماجی خدمات کا دائرہ کار وسیع تر ہوتا چلا گیا۔اس کا قیام 2001 کے اوائل میں ایک انتظامی حکم کے تحت عمل میں آیا۔ جان جے ڈیلولیواس کا ایگزیکٹیو ڈائریکٹر مقرر ہوا۔اس کے بعد جلد ہی سماجی خدمات اور مذہبی حلقوں میں اس کی انتظامیہ کے میرٹ کے بارے میں زبردست بحث مباحثہ چھڑ گیا۔''OFBCI'' نے نئے قواعد وضوابط متعارف کرائے جو مذہبی تنظیموں کو حکومت کا پارٹنر بننے کی اجازت دیتے ہیں۔ اس طرح انہیں عوامی فنڈ پر کنٹرول دے دیا گیا ہے۔ان نئے قواعد کے تحت مذہبی تنظیموں کو محکمۂ تعلیم کے پروگراموں میں شرکت اجازت مل گئی ہے، وہ وفاقی فنڈز اور USDA کی مدد کے لئے دیگر تنظیموں کے ساتھ برابری کی بنیاد پر مسابقت کی مجاز ہوگئی ہے۔ان قواعد نے مذہبی تنظیموں کے خلاف ضابطے کی وہ بندشیں دور کر دی ہیں جن کی بنا پر وہ مذہبی بنیاد پر بھرتی کے فیصلوں میں حصہ نہیں لے سکتی تھیں۔

''OFBCI'' زیادہ تر مسیحی تنظیموں ہی کو فیڈرل گورنمنٹ کی گرانٹس کے حصول میں مدد دیتی ہے۔وہ انہیں گرانٹس کے لیے درخواستیں دینے اور قواعد کو سمجھنے کے لیے ماہرین کی خدمات پیش کرتی ہے۔اگرچہ وفاقی فنڈز وصول کرنے والے مذہبی گروپ آڈٹ کرانے کے پابند ہیں مگر قواعد کے مطابق کے مطابق یہ آڈٹ صرف وفاقی فنڈز کے خرچ سے متعلق ہوتا ہے، اس کے لیے زیادہ چھان بین کا تکلف نہیں کیا جاتا۔ حکومت صرف تین لاکھ ڈالر سالانہ سے زائد اخراجات کی پڑتال کرتی ہے، اس سے کم اخراجات کی تفصیل نہیں پوچھتی۔ ان کا معاملہ سیلف آڈٹ کے لیے چھوڑ دیا جاتا ہے۔

مگر سپریم کورٹ کی اس رولنگ کا کیا بنا کہ مذہبی بنیاد پر قائم تنظیمیں اپنی ''اساسی مذہبی سرگرمیوں'' (INHERENTLY RELIGIOUS ACTIVITIES) پر حکومت کی طرف سے براہ راست ملنے والی سپورٹ استعمال کرنے کی مجاز نہیں ہیں؟ آپ کو ''اساسی مذہبی'' کے الفاظ پر مبتلائے تشویش ہونے کی ضرورت نہیں۔اس سلسلے میں جاری ہونے والی دستاویز میں کہا گیا ہے کہ یہ محض ایک رسمی جملہ ہے جو عدالتیں ''ریاست اور کلیسا'' کے مقدمات میں استعمال کرتی آئی ہیں۔

ان تنظیموں کی طرف سے یہ سوال کیا جاسکتا ہے کہ ''ہم اپنی مذہبی سرگرمیوں کو وفاقی فنڈز سے چلنے والے سماجی خدمت کے پروگرام سے کیسے الگ کر سکتے ہیں؟''، ''OFBCI'' کے مشاوت کار جواب دیتے ہیں۔''آپ اس پروگرام کو چرچ ہال کے ایک کمرے میں کر سکتے ہیں، جہاں بائبل کا مطالعہ بھی ساتھ ساتھ کیا جارہا ہو.....یعنی اسی ہال میں۔''

''کیا ہم سے وفاقی فنڈز سے سروسز پانے والے بھی ہماری مذہبی سرگرمیوں میں شرکت کر سکتے ہیں؟''

مشاورکاروں نے جواب دیا: ''جی ہاں! آپ انہیں اپنی

تنظیم کی مذہبی خدمات یا تقاریب میں مدعو کر سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر جو چرچ بے گھر افراد کو جائے پناہ دینے کے لیے حکومت سے براہ راست مدد وصول کرتا ہے، وہ ان لوگوں کو اپنے پروگراموں میں شریک کر سکتا ہے۔'' اور وہ نادار اور بے گھر شخص شرکت کی اس دعوت کا جواب اپنے لیے چھت کی فراہمی کی ضمانت حاصل کرنے سے مشروط کر سکتا ہے۔

ان مذہبی سرگرمیوں کے بارے میں کیا رائے ہے جو ان لوگوں کی موجودگی میں کی جاتی ہیں جن کی مدد کر رہے ہیں؟

مذہبی بنیاد پر قائم گروپ ایسے رضا کاروں اور ملازمین کو جمع کر کے مذہبی سرگرمیاں جاری رکھ سکتا ہے جس کی مثال وہ لنگر خانہ ہے جہاں رضا کار کھانا کھانے سے پہلے اجتماعی دعا کرتے ہیں۔

کیا ہم مذہبی مقاصد کے لیے ضروری سامان کی خریداری کی غرض سے وفاقی فنڈز استعمال کر سکتے ہیں؟ مذہبی تنظیموں کا استفسار۔

''نہیں'' اس کے لیے سماجی پروگراموں سے کافی مقدار میں بچنے والی رقم سے کام چلایئے۔

کیا وفاقی فنڈ ان چرچ سٹاف ممبرز کی تنخواہ پر خرچ کیا جا سکتا ہے جو وفاقی فنڈ ڈسروسز ادا کر رہے ہوں؟ جی ہاں! یہ سٹاف ممبر چاہے (صہیونی) ربی ہو، مسیحی پیشوا یا کوئی اور مبلغ ہو، سب کی تنخواہ اس میں سے دی جا سکتی ہے۔

اگر یہ سٹاف ممبر محض جز وقتی ملازم ہو تب؟

کوئی بات نہیں۔ مذہبی بنیاد پر قائم تنظیم کسی کو بھی مذہبی فرائض انجام دینے کے لئے بھرتی کر سکتی ہے، چاہے بھرتی کیا جانے والا شخص وفاقی فنڈ ڈ پروگرام ہی کے لیے کام کر رہا ہوں۔ مساوی مواقع والی ملازمتوں کے بارے میں کیا رائے ہے؟

دستاویز میں اس کا جواب یہ دیا گیا ہے: کوئی ایسا عمومی وفاقی قانون ہے جو وفاقی فنڈز وصول کرنے والی مذہبی تنظیموں کو مذہبی بنیاد پر بھرتیاں کرنے سے روکتا ہو۔

کیا وفاقی فنڈ ڈسروسز کی فراہمی کے وقت مذہبی پہچان کی علامات ہٹا دی جانی چاہئیں؟

آپ کو وفاقی فنڈ ڈسروسز فراہم کرنے کے لئے اپنی بلڈنگ پر لگا ہوا سٹار آف ڈیوڈ (یہودیوں کا نشان) یا کراس (مسیحیوں کی صلیب) اتارنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

آفس آف مینجمنٹ اینڈ بجٹ واچ (او ایم بی) کے ایک آرٹیکل میں اس صورت حال کے بارے میں ایک مختصر بیان یہ دیا گیا ہے کہ ''جو ضرورت مند شخص کسی ووچر پروگرام یا سب ایوارڈ کے ذریعے امداد حاصل کرنا چاہتا ہو اسے موقع پر امداد وصول کرنے سے پہلے مذہبی رسوم کی ادائیگی کے دوران وہاں بیٹھا ہونا چاہیے۔ (''او ایم بی واچ'' 15 دسمبر 2003) تاہم ''کلیسا اور ریاست'' کے تعلق کی حد وہاں ختم نہیں ہو جاتی۔

بش انتظامیہ نے مذہبی انجمنوں کی مدد کے لیے 3 ارب 70 کروڑ ڈالر مخصوص کرنے کے لیے کہہ دیا ہے۔ ایجنسی فرانس پریس کے مطابق:

''امریکی صدر جارج ڈبلیو بش نے اپنے محکمۂ انصاف سے کہا ہے کہ وہ وفاقی اخراجات کی مد میں تقریباً 3 ارب 70 کروڑ ڈالر ریلیز کرانے کے لیے اقدامات کرے تاکہ مذہبی رفاہی اداروں کی مدد کی جا سکے۔

اس امر کی بے شمار مثالیں موجود ہیں کہ امریکی حکومت نے رفاہی تنظیموں کی ذمہ داریوں کو قبول کیے بغیر ان کی مدد کی ہے۔ تاہم اس نئے عملی انتظام کے ذریعے امریکی اور یورپی حکومتوں نے مذہبی رفاہی کاموں کے لیے اخلاقی اور مالی مدد فراہم کی ہے جو غیر سرکاری سیکٹر کا حصہ اور حکومتوں کے دائرے سے باہر، خود مختارانہ کام ہے۔ اس طرح یہ تھرڈ سیکٹر ہے جو ملک کی ترقی میں اپنا کردار ادا کر رہا ہے اور یہ حکومتیں ان کی غلطیوں اور قانون شکنیوں سے بچتے ہوئے اپنے مقاصد اور پروگراموں کی تکمیل کر رہی ہیں۔

مذہب کو امدادی کام سے منسلک کرنا:

بے شمار نیوز آرٹیکلز اور رپورٹس میں یہ تاثر دیا گیا ہے کہ اسلامی رفاہی تنظیموں کی سب سے بڑی غلطی یہ رہی ہے کہ وہ امدادی کاموں کو ''دعوۃ'' (جو مشنری ورک سے مماثلت رکھتی

ہے) کے ساتھ خلط ملط کرتی رہی ہیں۔ بعض حلقے اسے بنیاد پرستی کے پرچار سے تعبیر کرتے ہیں۔ ''نیشنل ریویو آن لائن'' لکھتا ہے: ''کوئی اور نہیں بلکہ سعودی حکومت ہی مساجد، اسکولوں، رفاہی اور انسانی ہمدردی کی تنظیموں کے وسیع سلسلے اور سیاسی وسفارتی سہولتوں کو جارحانہ طور پر وہابیت کی تبلیغ کے لیے استعمال کرتی رہی ہے جو اسلام کی ایک انتہا پسندانہ قسم ہے، اس کے بارے میں سینیٹر جان کائل کا کہنا ہے کہ یہ ہمارے دستور اور ہمارے آباؤ واجداد کے بتائے ہوئے آزادی کے اصولوں کے لیے واضح طور پر ایک خطرہ ہے۔ اسرائیلی وزیر اعظم شیرون کے انتہا پسند قدامت پرست مشیر ڈور گولڈ نے نیویارک پوسٹ میں لکھا ہے: ''سعودی عرب نے اس دور میں بھی مسلم ورلڈ لیگ کی طرح کی بہت سی بین الاقوامی مسلم تنظیمیں قائم کی ہیں جو سعودیہ کی وہابیت برآمد کر رہی ہیں۔ یہ تنظیمیں انٹرنیشنل ریڈ کراس کے طرز کی این جی اوز یا بین الاقوامی مزاج کی حامل نہیں ہیں یہ نفرت کی پرچارک ہیں۔''

ڈور گولڈ گزشتہ دو عشروں سے مشرق وسطیٰ میں امن کی ہر بڑی کوشش کی سخت مخالفت کرتا رہا ہے۔

اسلام میں رفاہی کام (خدمت خلق) مذہب کا جز ولاینفک سمجھا جاتا ہے۔ بینتھل اور بیلین نے خدمتِ خلق اور اسلام کے تعلق کی نوعیت کو خوب اچھی طرح سمجھا ہے اور کہا ہے کہ مسلمانوں کے جذبۂ خدمت خلق نے اسلامی رفاہی تنظیموں کو بڑی تقویت بخشی ہے۔

انہوں نے ایک مسلم سکالر کا قول نقل کرتے ہوئے کہا، کہ وہ یہ بات بالکل بجا کہتے ہیں کہ آسمانی کتابوں میں قرآن واحد کتاب ہے جو (سورہ توبہ 9:60) میں ریاست کے بجٹ اور اخراجات کے بنیادی اصول بیان کرتی ہے۔

شاید ہی کوئی مذہب اس اسلامی اصول جیسی بات کہتا ہو کہ ''بھوکوں کو خوشحال لوگوں کے کھانے میں شرکت کا حق حاصل ہے۔'' اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک مسلم ریاست کے بجٹ میں خیراتی کاموں، مذہب کی خدمت اور دعوۃ کے شعبوں پر خرچ کرنا التزاما شامل کرا دیا گیا ہے۔ ''وقف'' کا ادارہ جو رفاہی ٹرسٹ یا فاؤنڈیشن کے ہم معنی ہے، مذہب اسلام اور تاریخ اسلام کا ایک جز ولازم ہے۔ بینتھل اور بیلین مزید لکھتے ہیں:

''یہ بات تقریباً پوری مسلم دنیا کی ایک معروف حقیقت ہے کہ اسلام وقف کو اس قدر اہمیت دیتا ہے کہ 19ویں صدی کے آغاز میں وسیع عثمانی سلطنت میں نصف یا دو تہائی زمین ''وقف'' املاک میں شامل تھی۔ اسلامی تاریخ کے آغاز ہی سے اوقاف کو کلیدی اہمیت حاصل رہی ہے جس کی وجہ سے مذہب اور اقتصادیات کا آپس میں گہرا تعلق قائم ہو گیا تھا۔'' یہ شعبے تاریخی لحاظ سے مربوط ہی رہے ہیں، جدا نہیں رہے۔ فاضل مصنفین لکھتے ہیں:

''تبلیغ کے ذریعے مذہب تبدیل کرانے کے ساتھ ساتھ امدادی کام کرنا مغربی تنظیموں کا بھی مشغلہ رہا ہے، مگر ان کے ہاں یہ دونوں کام باہم دگر اس قدر مربوط نہیں ہیں جس قدر اسلام میں ہیں، جیسے انٹرنیشنل کرسچین ریلیف اور ترقیاتی ایجنسیاں افریقہ کی ان کمیونٹیز میں جنہیں عیسائی بنا لیا گیا ہے، دائما مقامی کلیساؤں کے ذریعے کام کرتی ہیں۔ ان مقامی کلیساؤں کو نچلی سطح (Grass Root) پر عوام کی حمایت اور اعتماد حاصل ہے جس سے ایجنسیاں بھی فائدہ اٹھاتی ہیں، ایسے مواقع انٹرنیشنل اسلامک ایجنسیوں کے لیے بھی موجود ہیں کہ وہ یہ کام مسلم کمیونٹیز میں مقامی مذہبی تنظیموں کی معرفت کریں۔

مغربی سیکولر رفاہی تنظیموں کی جڑیں بھی مذہبی اصولوں میں پیوست ہوتی ہیں جوناتھن بینتھل لکھتا ہے: ''آزاد خیالی پر مبنی خلق دوستی (Liberal Humanitarianism) جو مغربی نظریۂ خلق دوستی کو اس کی سیکولر شکل میں بھی استحکام بخشتی ہے، خود اس کا استحکام بھی یہودی اور مسیحی اقدار پر مبنی ورثے کا مرہونِ منت ہے۔''

یہ مسئلہ عرصۂ دراز تک ریڈ کراس آرگنائزیشن پر بھی اثر انداز ہوتا رہا جو 1863 میں سربیائی جنگوں کے دوران پادریوں کی منظوری کے بغیر قائم ہوتی تھی۔ عثمانی فوجیوں نے ''کراس''

(صلیب) کے نشان کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا کیوں کہ یہ انہیں سربیائی جنگوں کی یاد دلاتا تھا۔ انہوں نے اس کے بجائے ''ریڈ کریسنٹ'' (ہلال احمر) کو بطور نشان اختیار کیا۔ جوناتھن بینتھل اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتا ہے: مغربی نظریۂ خلق دوستی کئی نظریات اور واقعات کے چشموں سے سیراب ہوا ہے، ان میں کیتھولک نظامہائے خانقاہیت ریڈ کراس کے مؤسسین کے افکار، جو فرانسیسی عالم دین کیلوین کے پیروکار تھے، سالویشن آرمی، لبرازی مشن اور آکسفورڈ کوئیکرز شامل تھے، ان سب نے مل کر ''Oxfam'' کی بنیاد ڈالنے میں مدد کی۔ چرچ کی تنظیمیں 1960 کے عشرہ کے اواخر میں نائیجریا کی خانہ جنگی تک بین الاقوامی امدادی سرگرمیوں پر اثر انداز ہوتی رہیں جس کے لیے انہوں نے ایک سیکولر تنظیم ''میڈیسنز سینز فرنٹیرز'' (MSF) قائم کر لی حتی کہ آج بھی مسیحی امدای کاموں کی ڈوریاں ''کیریٹاس'' ''ورلڈ ویژن''، ''دی آرڈر آف مالٹا''، ''کرسچین ایڈ'' اور ''نارڈک چرچز'' کے ساتھ مضبوطی بندھی ہوئی ہیں۔''

اگر مغرب کی غیر اسلامی امدادی تنظیموں کا یہ حال ہے جو ممالک کلیسا اور ریاست کی علیحدگی کے تصور پر قائم ہیں تو اسلامی تنظیموں پر تو ہرگز الزام نہیں لگنا چاہیے کیوں کہ وہ تو رفاہی کام اور اسلام کے مابین ناقابل شکست تعلق کے عقیدے کے تحت کام کر رہیں ہیں۔

بینتھل اور بیلین نے اسلامی ''دعوۃ'' کو عیسائی تنظیموں کے حد سے تجاوز کرنے اور مسلمانوں کو جبراً عیسائی بنانے کی کوششوں کا ردعمل قرار دیا ہے۔ انہوں نے سوڈان کو بطور مثال پیش کرتے ہوئے لکھا: ''افریقہ میں مشنریز مسلمانوں کو بڑی دیدہ دلیری سے کہہ رہے ہیں۔ ''اسلام کو چھوڑو گے ہم تمہیں بھوک، افلاس، خوف اور بیماریوں سے نجات دلا دیں گے۔'' افریقہ میں مشنریوں کے لشکر بائیں ہاتھ میں کھانا اور دائیں ہاتھ میں صلیبیں لے کر داخل ہوئے ہیں۔ سوڈانی تنظیم دعوتِ اسلامیہ نے 1995 میں اپنی پندرہ سالہ سرگرمیوں کی رپورٹ میں مشنریوں کی کارروائیوں کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچ کر اپنی دعوتِ اسلام کا جواز پیش کیا ہے۔ سوڈان کے واقعات امداد کی سیاست اور مذہب کے سوال مابین تعلق پر نہایت بلیغ تبصرہ ہیں۔''

کنگز کالج یونیورسٹی آف لندن کی کیرن فان ہپل نے اسلامی رفاہی کاموں اور مسلم عقائد کے مابین مضبوط تعلق پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھا ہے: ''یہ ایک حقیقت ہے کہ زکاۃ وصدقات اسلام کی بنیادی ستون ہیں اور یہ اس انداز میں دیے جاتے ہیں کہ وصول کرنے والے کی عزتِ نفس مطلق مجروح نہیں ہوتی۔'' امداد کے افادی پہلوؤں سے قطع نظر یہ کسی کی مرضی وانتخاب کا مسئلہ نہیں، اس کا محرک ومنبع مذہب اور اس کے حکام ہیں جو دینے والے، وصول کرنے والے اور اس کا ذریعہ بننے والوں کے تعلق کو محکم ومنضبط کرتے ہیں۔ اسلامی قوانین واحکام رفاہی کاموں کو مسلسل مضبوط کرتے رہتے ہیں کیوں کہ یہ اس عقیدے پر استوار ہیں کہ ساری دولت کا مالک اللہ ہے، فی الوقت یہ جس کے پاس بھی ہے اللہ کی امانت کے طور پر ہے۔ اسے اللہ ہی کے حکم کے مطابق اسی کی محبت اور بازپرس کے کوف کے تحت مستحقین کو ادا کیا جائے۔ اسلامی رفاہی کام اسی عقیدے کے تحت انجام دیے جاتے ہیں، اس لیے اس کے فوائد واضح طور پر سامنے آرہے ہیں چاہے رفاہی وسائل بہت محدود ہوں۔ امدادی رقم کی مقدار چاہے کتنی ہی کم ہو، اسے مذہبی احکام کے مطابق ہی مستحقین تک پہنچایا جاتا ہے۔

اسلامی رفاہی کام کو اس کے مذہبی تشخص سے محروم کرنا اور اسے دیگر مذاہب اور ثقافتوں کے قائم کردہ معیار وتصریحات سے جانچنا ایک سنگین غلطی ہے، مثلاً: اس کے محرکات کو صرف انسانی ہمدردی تک محدود کرنا اور اس کے امدادی کام کو مذہبی اصولوں اور نفسیاتی، روحانی اور معاشرتی اصلاح کے جذبوں سے الگ کر کے دیکھنا، صریحاً ایک زیادتی ہے۔ اسلامی رفاہی کام ان سب پہلوؤں کا حامل ہوتا ہے۔

علاوہ ازیں اسلامی رفاہی تنظیموں اور ان کے ملازمین کا ایمان ہے کہ غیر مسلموں کو اسلام کی دعوت دینا ایک اہم دینی فریضہ ہے۔ مزید برآں وہ اس امر پر بھی ایمان رکھتے ہیں کہ بحرانوں، قحط اور

جنگوں کے صدمات سے تفسیاتی طور پر عہدہ برآ ہونے کے لیے خدا پر ایمان اور اس کے فیصلوں کو قبول کرنے کا جذبہ نہایت ضروری چیز ہے۔ یہ ایمان نفسیاتی اور سماجی صدموں کے اثرات کم کرنے اور فوری بحالی میں بڑی مدد دیتا ہے۔ مگر سب سے اہم بات یہ ہے کہ انہیں قرآن کے اس حکم پر دل وجان سے عمل پیرا ہونا چاہیے کہ ''دین میں کوئی جبر واکراہ نہیں ہے۔'' بحمد للہ ایک رپورٹ بھی ایسی نہیں ملی جس میں یہ کہا گیا ہو کہ اسلامی تنظیموں نے اپنی مدد کو متاثرین کے حلقہ بگوشِ اسلام ہونے سے مشروط کیا ہو۔

جہادی تحریکوں کی حمایت: بعض لوگوں نے سوویت یونین کے خلاف جہاد کے دوران افغان مجاہدین کے مختلف گروپوں کو براہ راست امداد دی تھی۔ خلیجی خطے کی بعض حکومتوں نے بطور خاص افغانوں کو رقوم اور امریکی ساخت کے ہتھیاروں کی صورت میں مدد دی تھی۔ یہ کوئی خفیہ بات نہیں تھی بلکہ یہ ان ریاستوں اور تنظیموں کے لیے باعثِ فخر کام تھا۔ مجاہدین کو براہ راست یا بالواسطہ رقوم، اسلحہ اور فوجی تربیت دینے والوں میں امریکہ صفِ اول میں تھا۔ امریکی میڈیا روس کے خلاف ڈٹ جانے والوں کے لیے ''مجاہدین'' (اپنی آزادی کی خاطر لڑنے والے) کی اصطلاح استعمال کیا کرتا تھا۔ انہیں باغی یا افغان جنگجو نہیں کہتا تھا۔ مجاہدین کی اصطلاح اس وقت کے امریکی قومی سلامتی کے مشیر برزنسکی کی افغانستان میں آمد اور افغان لیڈر مولوی یونس خالص سے ملاقات کے دوران استعمال کی تھی۔

بلا شبہ بعض اسلامی رفاہی تنظیمیں مجاہدین کے بعض گروپوں کی امداد کرتی تھیں اور امریکی انٹیلی جنس ایجنسیاں اس سے بخوبی آگاہ تھیں مگر انہوں نے اس مدد پر کبھی اعتراض نہیں کیا۔

بعد میں امریکہ کے بدلتے ہوئے معیاروں اور مشکوک پالیسیوں سے اسلامی رفاہی تنظیموں کو شدید صدمہ پہنچا۔ ان پالیسیوں کے اثرات ان کے لیے اب تک سوہانِ روح بنے ہوئے ہیں۔ امریکی رویے میں ان تنظیموں بالخصوص مسلمانوں اور اسلام کے بارے میں تبدیلی آچکی ہے۔ سرد جنگ کے دوران جب مسلمان کمیونزم کے خلاف صف آراء تھے تو اسلام مغرب کا اتحادی تھا اور افغان مزاحمت کاروں کو مجاہدین کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ رابرٹ فسک نے جو 1980 میں ''دی ٹائمز'' کے کام کرتا تھا، بتایا کہ ''دی ٹائمز'' کا ایڈیٹر اصرار کیا کرتا تھا کہ افغان گوریلوں کو سرخیوں میں ''مجاہدینِ آزادی'' لکھا جائے۔ 1982 میں امریکی کانگریس نے مجاہدین کے لیے 3 ارب ڈالر کی خفیہ امداد منظور کی جو اس پورے عشرے میں خفیہ آپریشنوں کے لیے دی گئی کل مقدار سے بھی زیادہ تھی۔ سی آئی اے نے مجاہدین کو امریکہ کے بنائے ہوئے سنگر میزائل دیے۔ یہ پہلا موقع تھا جب سی آئی اے نے امریکی ساخت کا اسلحہ دیا۔ ریگن انتظامیہ نے بڑی محنت سے پاکستان کے لیے 3 ارب 2 کروڑ ڈالر امداد کا چھ سالہ پیکج منظور کرایا جو فوجی اور اقتصادی شعبوں میں برابر تقسیم ہونا تھا۔ یہ پیکج صرف اس لیے دلوایا گیا کہ پاکستان افغان مجاہدین کی مدد کے لئے امریکہ کے ساتھ تعاون کر رہا تھا۔ افغانوں کے لئے امریکی امداد پر تبصرہ کرتے ہوئے برزنسکی نے 1998 میں کہا کہ یہ بہت اچھا آئیڈیا تھا ''ماسکو کو تقریباً دس سال تک ایسی جنگ جاری رکھنی پڑی جسے حکومت سپورٹ نہیں کر سکتی تھی۔ یہ ایک شدید کشمکش تھی جس نے پہلے سوویت یونین کو اخلاقی طور پر پست کیا اور بالآخر اسے پارہ پارہ کر دیا۔'' تاہم جب روسی فرار ہو گئے تو امریکہ نے بھی فوراً اپنے افغان دوستوں کو چھوڑ دیا، سوویت یونین ٹوٹ جانے کے بعد امریکہ افغانستان اور دوسرے مسلم ممالک کو اپنا اتحادی نہیں سمجھتا۔

متعدد امریکی سکالرز اور رائٹرز نے امریکہ کی مبہم پالیسی اور نام نہاد ''دہشت گردی'' کے بارے میں اس کے ردعمل پر کڑی نکتہ چینی کی ہے۔ انتھونی کارڈز مین اور ابراہام ویگز نے اپنی مشترکہ تصنیف (Lessons of Modern War) (جدید جنگ کے اسباق) کی تیسری جلد میں سوویت یونین کے خلاف جنگ میں امریکہ کی مالی مدد کی حدود کو بے نقاب کیا جیسا کہ لاری گڈسن نے اپنی کتاب '' Afghanistans, Endless

War'' (افغانستان کی لامتناہی جنگ) میں کیا ہے۔ امریکہ کی اس ''سمت معکوسی'' (about-face) اور اسلامی رفاہی تنظیموں کے خلاف سفاکانہ مہم کے اسباب و مقاصد میں سے ایک مقصد اپنے سابقہ اتحادیوں سے نجات حاصل کرنا ہے جن کی اسے اب ضرورت نہیں رہی بلکہ اب تو یہ ایک رکاوٹ یا اس کے مقاصد کے لیے ایک خطرہ بن رہے ہیں۔

بینتھل اور بیلین نے بڑی چابکدستی سے اسلامی عقائد اور امداد و جہاد کے متعدد پہلوؤں کے باہمی ربط پر روشنی ڈالی ہے۔ انہوں نے ایک مسلم دانشور کے قول کا حوالہ دیا جس نے کہا تھا:

''روسیوں کے خلاف جہاد فوجیوں، میڈیکل ماہرین اور ان لوگوں کے لیے ایک فرضِ عین ہے جو اجتماعی فرض کے برعکس انفرادی فرض ہے جو کسی بھی قسم کی کوئی مہارت اور مجاہدین کی مدد کی صلاحیت رکھتے ہیں، انہیں مجاہدین کو ان کی صلاحیت و طاقت کے میدان میں کام جاری رکھنے میں مدد دیتے رہنا چاہیے۔ بلکہ یہ بالعموم تمام مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ ان کی مادی اور فکری مدد کریں تاکہ وہ اگر جسمانی لحاظ سے ان کے ساتھ نہیں رہ سکتے تو دلی طور پر تو ان کے ساتھ رہیں۔''

فاضل مصنفین اس دانشور کے قول کو بنیاد بناتے ہوئے کہتے ہیں: ''اس طرح مختلف قسموں کی امداد کی اپیل کی گئی ہے جن میں افغانوں کے لئے ریلیف کا سامان بھی شامل ہے۔'' انہوں نے اپنی بات اس جملے پر ختم کی ''یہ وہ دلائل و براہین ہیں جنہوں نے اسلامی رفاہی تنظیموں کے ہجوم پیدا کر کے انہیں چہار سو پھیلا دیا۔'' ایک اور جگہ وہ لکھتے ہیں: ''زیادہ تر پیش قدمی ان پرائیویٹ ایجنسیوں کی طرف سے ہوئی جن کا افغان کاز کے لیے متحرک اور منظم (Mobilization) ہونا نہ صرف گوارا کیا گیا بلکہ مشرق وسطیٰ کے چند مخصوص ممالک کی طرف سے ان کی حوصلہ افزائی بھی ہوئی، یہ ممالک انہیں اپنے سیاسی یا دفاعی مقاصد کے لیے استعمال کرنا چاہتے تھے۔''

اگرچہ بہت سے لوگ سعودی رفاہی اداروں کی مستعدی اور تعلیمی طبی اور امدادی اشیاء کی فراہمی کے شعبوں میں ان کی کامیابیوں کی تصدیق کرتے ہیں مگر بعض متعصب تجزیہ کاران کاموں کو جہادی سرگرمیوں کے ساتھ جوڑ دیتے ہیں۔ میتھو لیویٹ لکھتا ہے: ''سی آئی اے حال ہی میں اپنی جن دستاویزات کو منظر پر لائی ہے، ان میں 1996 سے متعلقہ ایک دستاویز بھی شامل ہے، اس میں بتایا گیا ہے کہ واشنگٹن نے 1994 میں بتا دیا تھا کہ 1992 میں سعودی افراد نے بوسنیا میں رفاہی تنظیموں کے ذریعے دہشت گردی کے لیے 15 کروڑ ڈالر تقسیم کیے تھے۔'' سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اس وقت ان تنظیموں کو اس غلط حرکت پر کوئی قانونی سزا دی گئی تھی یا کم از کم کوئی مقدمہ ہی درج کیا گیا تھا؟ کیا سعودی باشندے کوئی ایسا کام کر رہے تھے جو امریکہ کی اس وقت پالیسی کے منافی تھا؟ یہ سوال بھی کیا جا سکتا ہے کہ اگر بوسنیائی مسلمانوں کے آرتھوڈکس سربوں کی جارحیت سے تحفظ دلانا مقصود نہیں تھا تو امریکہ اور نیٹو افواج نے بوسنیا کی جنگ میں کیوں مداخلت کی تھی؟ پھر وہی کام کرنے پر سعودیوں پر الزام تراشی کیوں کی جاتی ہے؟

ڈیوڈ کپلان امریکی طرزِ عمل کی طرف انگشت نمائی کرتے ہوئے کہتا ہے کہ امریکہ بھی ایسی غلطیوں سے مستثنیٰ نہیں ہے۔ وہ لکھتا ہے: ''سعودی حکام اس صورتِ حال کو آئرش ری پبلکن آرمی کے لئے امریکی امداد سے مشابہ قرار دیتے ہیں۔ 1970 اور 1980 کے عشرو میں IRA کی امدادی تنظیموں نے آئرش امریکیوں سے لاکھوں ڈالر اکھٹے کر کے وہاں پہنچا دیے تھے اور برطانیہ دہائی دیتا رہ گیا کہ یہ فنڈز آئی آر اے کی دہشت گردی کی پشت پناہی کے لئے استعمال ہو رہے ہیں۔''

تاہم اگر یہ ثابت ہو جائے کہ بعض اسلامی رفاہی تنظیمیں جنگ بوسنیا کے دوران جہاد کے لیے مدد دیتی رہی ہیں تو یہ ان کی غلطی ہوگی جس کے لئے وہ جوابدہ ہوں گی کیوں کہ ان کا یہ اقدام ان کی تنظیموں کے اعلان کردہ مقاصد کی حدود سے متجاوز شمار کیا جائے گا۔

(ماخوذ از: دہشت گردی کے خلاف عالمی جنگ کے معصوم شکار، مصنفہ: ڈاکٹر ایم، اے، سلومی)

☆☆☆

عالم اسلام

اردوغان کی کچھ حماقتیں

ترکی حکومت اور اردوغان کی سرفرازیاں

تحریر: احسان فقیہ.....ترجمہ: محمد فرید حبیب ندوی

نوٹ: ایک عرب دانشور نے یہ عنوان ''اردوغان کی کچھ حماقتیں'' عالم اسلام کے رہنماؤں اور اس فکر کے حامل لوگوں پر طنز کرنے کے لئے قائم کیا، جو محض کسی کی اسلام پسندی کے سبب اس کے تمام تعمیری کاموں پر پانی پھیر دینا چاہتے ہیں، ترجمہ میں بھی اس عنوان کو باقی رکھا گیا۔ (مترجم)

۱۔ مسلم ترکی کی قومی آمدنی 2013 میں ایک ٹریلین سوارب ڈالر تھی۔ جو کہ مشرق وسطی کی تین بڑی اقتصادی اور سیاسی حکومتوں ایران، سعودیہ اور امارات کی مجموعی آمدنی کے برابر ہے۔

۲۔ اردوغان نے ترکی کو ایک حیران کن چھلانگ کے ساتھ ایک سو گیارہویں (111) رینک سے 16ویں رینک تک پہنچادیا ہے، یعنی ہر سال دس رینک کی ترقی ہوئی ہے، جس سے ترکی کے G-20 میں شامل ہونے کی بھی امید پیدا ہوگئی ہے۔

۳۔ 2023 میں ترکی جدید حکومت کا استقبال کرے گا، اسی تاریخ کو اردوغان نے اپنا ہدف متعین کرکے کہا ہے کہ 2023 تک ترکی دنیا کی سب سے بڑی اقتصادی اور سیاسی طاقت بن کر ابھرے گا، کیا وہ اس میں کامیاب ہوسکیں گے؟ یہ تو وقت ہی بتائے گا۔

۴۔ ''استنبول انٹرنیشنل ائرپورٹ'' یورپ کا سب سے بڑا ایئر پورٹ ہے، جہاں روزانہ 1260 جہاز لینڈ کرتے ہیں، اس کے علاوہ ''مطار صبیحہ'' (صبیحہ ایئرپورٹ) پر روزانہ 630 جہاز لینڈ کرتے ہیں۔

۵۔ ترکی ائر لائنس لگاتار تین سال سے دنیا کی سب سے بہترین ٹرانسپورٹ ائرلائن کا انعام حاصل کررہی ہے۔

۶۔ دس سالوں میں ترکی نے دوارب 770 ملین درختوں کی پیداوار کی ہے۔

۷۔ ترکی نے پہلی مرتبہ پہلا بکتر بند ٹینک، پہلا ہوائی جہاز، پہلا ڈرون جہاز اور مختلف کاموں والا عسکری مصنوعی سیارہ بنایا ہے۔

۸۔ دس سال میں اردوغان نے 125 نئی یونیورسٹیاں، 189 اسکولز، 510 ہسپتال اور ایک لاکھ 69 ہزار کلاسیز بنوائی ہیں، تاکہ ایک کلاس میں 21 طلبہ سے زیادہ نہ رہیں۔

۹۔ جس وقت امریکہ اور یورپ شدید اقتصادی بحران سے دوچار تھے اور امریکی و یوروپین جامعات نے یونیورسٹی فیس بڑھادی تھی، اسی دوران اردوغان نے تمام ترکی اسکول و جامعات میں فری اور سرکاری خرچ پر تعلیم کا فرمان جاری کیا۔

۱۰۔ پہلے ترکی میں ایک فرد کی آمدنی سالانہ 3500 ڈالر تھی جو ان دس سالوں میں بڑھ کر 2013 میں 11 ہزار ڈالر ہوگی ہے، اور یہ آمدنی فرانس کے باشندے کی آمدنی سے بھی زیادہ ہے، اسی طرح ترکی کی کرنسی کی قیمت 30 گنا بڑھ گئی ہے۔

۱۱۔ ترکی حکومت 2023 کے اپنے منصوبہ تک پہنچنے کے لئے تین لاکھ سائنسدانوں کو بحث و تحقیق کے لئے فارغ کرنے کی کوشش میں لگی ہے۔

۱۲۔ **ترکی کی سب سے بڑی سیاسی کامیابی:** اردوغان قبرص کے دونوں کناروں کے درمیان امن قائم کرنے میں کامیاب ہوگئے ہیں، اور انہوں نے کردستانی ورکرز پارٹی کے ساتھ خوں ریزی بند کرنے کے مقصد سے ڈائلاگ کئے، اور آرمینیہ سے معذرت کی ہے۔ یہ سب وہ فائلیں ہیں جو نوے سالوں سے بند پڑی تھیں۔

۱۳۔ مسلم ترکی میں تنخواہ کا معیار پہلے سے 300% بڑھ گیا ہے، اور فورتھ گریڈ امپلائی کی تنخواہ 340 لیرہ سے بڑھ کر 957 لیرہ ہوگئی ہے۔ اس کے بالمقابل بے روزگاروں کا فیصد 38% سے گر کر 2%1 ہوگیا ہے۔

۱۴۔ مسلم ترکی میں تعلیم اور صحت کا بجٹ دفاعی بجٹ سے زیادہ ہوگیا ہے، اور معلم کو ڈاکٹر کے مساوی تنخواہ دی جاتی ہے۔

۱۵۔ مسلم ترکی میں 35 ہزار انفارمیشن ٹیکنالوجی لیبس (Labs) اور گرافکس بیس سینٹرز قائم کی گئے ہیں، جن میں ترک نوجوان پریکٹس کرتے ہیں۔

۱۶۔ اردوغان نے بجٹ کے خسارہ سے نجات دلادی ہے جو کہ 47ارب تک پہنچ گیا تھا۔اور ترکی پر قرضوں کی آخری قسط 300ملین ڈالر تھی، جو کہ گذشتہ جون میں بدنام زمانہ ایک یوروپی بینک کو ادا کی گئی، بلکہ اب ترکی اس مقام تک پہنچ گیا ہے کہ اس نے 5ارب کا قرضہ دیا ہے۔اور یہ اس کے علاوہ ہے جو اردوغان نے ایک کھرب خزانہ عام میں جمع کئے ہیں، جبکہ یوروپ وامریکہ کی بڑی بڑی حکومتیں آج بھی قرض اور سود وافلاس کے بوجھ سے دبی پڑی ہیں۔

۱۷۔ ترکی کی برآمدات (ایکسپورٹڈ مال) دس سال پہلے 23ارب تھی، جو اب 153ارب تک پہنچ گئی ہے، اور اس کی برآمدات دنیا کی 190 حکومتوں تک پہنچ رہی ہیں، ان میں گاڑیاں پہلے نمبر پر ہیں، ان کے بعد الیکٹرانک چیزیں ہیں، حتی کہ یورپ میں بیچے جانے والے ٹیکنولوجی کے تین پروڈکٹس میں سے ایک پروڈکٹس ترکی کا ہوتا ہے۔

۱۸۔ اردوغان حکومت نے کوڑے کچرے کو ''ری سائکل'' کرنے کا پلانٹ لگایا ہے، تاکہ اس سے بجلی پیدا کی جاسکے، اور ترکی کی ایک تہائی آبادی اس سے فائدہ اٹھاسکے، اس وقت ترکی کے شہروں اور دیہاتوں کے 98% گھروں میں بجلی پہنچ چکی ہے۔

۱۹۔ اردوغان نے ایک ٹی وی انٹرویو میں جسے میڈیا نے چینل پر دکھایا ایک بچی کے ساتھ بیٹھ کر گفتگو کی جس کی عمر 12 سال بھی نہیں تھی اور دونوں نے پوری سنجیدگی سے ترکی کے مستقبل کے بارے میں بات چیت کی، اردوغان نے اس بچی کی ذہانت اور اس کے جذبات کو سراہا، اس طرح ترک بچوں کو مستقبل کے مطالعہ کے سلسلہ میں اپنے حاکموں سے مناقشہ اور مناظرہ کرنے کی ایک بہترین مثال دے دی۔

۲۰۔ اردوغان نے -جو عرب سیکولرز کے نزدیک اسرائیل دوست ہیں- اسرائیل کو ایک زبردست تھپڑ رسید کیا ہے اور اسے یہاں تک پہنچادیا ہے کہ وہ غزہ کو جانے والے باربردار جہاز پر حملہ کرنے کی اپنی حرکت پر معذرت کررہا ہے، اردوغان نے معذرت قبول کرنے کے لئے غزہ سے محاصرہ اٹھانے کی شرط لگائی ہے۔

۲۱۔ ''اسرائیل دوست اردوغان'' نے 2009 کی اقتصادی کانفرنس دافوس میں موجود اُن حاضرین کی زبردست تنقید کی ہے جنہوں نے شمعون پیریز کی تقریر پر تالیاں بجائی تھیں، اور حاضرین سے یہ کہتے ہوئے اردوغان کانفرنس ہال سے چلے گئے تھے کہ: تمہارے لئے شرم کی بات ہے کہ اس کی تقریر پر تالیاں بجاؤ، جبکہ اسرائیل غزہ کے ہزاروں بچوں اور عورتوں کا قاتل ہے۔

۲۲۔ اردوغان نے اپنے مخالفین پر پانی کے گولے چھڑوائے، اومیگ واسکاڈاور برامیل سے انہیں ہلاک نہیں کیا۔

۲۳۔ اردوغان نے اپنی بیٹی کے حجاب نہ پہننے کی بات کو ٹھکرا دیا تھا، اور اسکو تعلیم کے لئے یورپ بھیجا، یہ اس وقت کی بات ہے جب ترکی کی جامعات میں حجاب پر پابندی تھی۔

۲۴۔ اردوغان واحد حکمراں ہیں جنہوں نے اپنی بیوی کے ساتھ برما کا دورہ کیا اور میانمار کے مظلوم مسلمانوں سے ملاقات کی۔

۲۵۔ اردوغان نے سیکولر حکومت کے نوے سالوں کے بعد سرکاری اسکولوں میں قرآن وحدیث کی تدریس کو شروع کرادیا ہے۔

۲۶۔ اردوغان نے سرکاری جامعات اور کورٹ میں حجاب پہننے کی آزادی دے دی ہے۔

۲۷۔ اردوغان وہ واحد مسلم قائد ہیں جنہوں نے دنیا میں پائے جانے والے سب سے بڑے فلائی اوور کو جو کہ بحر اسود کے کناروں پر معلق ہے۔ بہت تیز روشنی سے جگمگایا ہے، جس روشنی میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے کلمات نظر آتے ہیں، جبکہ (دوسری طرف دیکھئے کہ) ایک عرب حکومت نے دنیا کا سب سے بڑا کرسمس ٹری بنایا ہے جس کا بجٹ 45 ملین ڈالر ہے۔(سوچیے !دونوں میں کتنا فرق ہے!!)

۲۸۔ اردوغان نصاب تعلیم میں عثمانی زبان یعنی عثمانی رسم الخط کا احیاء کررہے ہیں۔

۲۹۔ اردوغان نے دس ہزار ایسے بچوں کی ایک ریلی تشکیل دی جو سات سال کی عمر کو پہنچ رہے تھے، یہ بچے استنبول کے سڑکیں پار کرتے ہوئے اپنے سات سال کے ہونے کا اعلان کررہے تھے اور اس بات پر فخر کررہے تھے کہ وہ اب فرض نمازوں کی ادائیگی اور حفظِ قرآن کی شروعات کریں گے۔

اللہ ہی مددگار ہے۔

کاش ہم بھی اردوغان کی سی کچھ حماقتوں کا ارتکاب کرسکیں!!

☆☆☆

عالم اسلام

ترکی میں ناکام فوجی بغاوت
منظر-پس منظر

محمد نفیس خاں ندوی (معاون مدیر پیام عرفات، رائے بریلی)
nafeesnadwi@gmail.com

15,16 جولائی کی درمیانی شب میں ترکی کے ایک فوجی جتھے نے حکومت کا تختہ پلٹنے کی کوشش کی جسے سربراہ مملکت کی بیدار مغزی و دانشمندی اور عوام کے سیاسی شعور نے ناکام بنادیا۔ انقلاب کی اس ناکامی سے بہت سے ملکوں میں مایوسی کی لہر دوڑ گئی جن میں امریکہ واسرائیل سرفہرست ہیں، کیونکہ طیب اردگان کی حکومت کی وجہ سے خطہ میں امریکہ واسرائیل اوران کی ہم نوا طاقتوں کو ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا ہے۔

بغاوت کی کوشش کا آغاز جمعہ کو دیر رات شروع ہوا، استنبول کے مرکزی پلوں پر ٹینک کھڑے کردیے گئے، کچھ وقفہ بعد انقرہ کی سڑکوں پر فوجی دندناتے نظر آنے لگے، جنگی طیاروں نے بھی شہر کی فضا میں پروازیں شروع کردیں، میڈیا پر کنٹرول کرلیا گیا اور سرکاری ٹی وی سے یہ اعلان نشر ہوا کہ ملک میں مارشل لا نافذ کردیا گیا ہے اور کرفیو لگا دیا گیا ہے، اور اقتدار کی ڈور اب فوج کے ہاتھوں میں ہے، اور ایک ''امن کونسل'' اب ملک کا نظام چلائے گی۔

فوجی بغاوت کے واقعات اس وقت پیش آئے جب قومی صدر طیب رجب اردگان ارماریس میں قیام پذیر تھے، اور چونکہ ملکی میڈیا پر فوج کا قبضہ ہوچکا تھا اس لیے انھوں نے ''سوشل میڈیا'' کا سہارا لیا، اور ''فیس ٹائم'' کے ذریعہ اپنی قوم کو بھیجے گئے پیغام میں عوام سے باہر نکلنے اور اس فوجی بغاوت کو ناکام بنانے کی اپیل کی، جس کے بعد انقرہ اور استنبول میں عوام بھاری تعداد میں سڑکوں پر نکل آئے، آنکھوں میں غصہ وجنون، دلوں میں جوش وولولہ، ملک کی سالمیت اور اپنے حکمراں کے تئیں خلوص اور وفاداری، لازمی نتیجہ تصادم کی شکل میں ظاہر ہوا، فوج نے طاقت آزمائی بھی کی لیکن فدائیت کے اس سیل رواں کے سامنے انھیں گھٹنے ٹیکنے پڑے، کچھ نے ٹینک چھوڑ کر فرار اختیار کیا، اور کچھ نے ہتھیار ڈال کر خود کو عوام کے حوالہ کردیا، اور تاریخ میں پہلی بار عالمی میڈیا نے وہ مناظر بھی نشر کیے جن میں عوام نے فوجیوں کو قید کیا اور کسی ملک کی حفاظت خود وہاں کے باشندوں نے کی۔

ترکی کی اس فوجی بغاوت میں بڑی تعداد میں اموات بھی ہوئیں، ہلاک شدگان میں 115 سے زائد فوجی باغی، 41 پولیس اہلکار اور 84 عام شہری شامل ہیں، ان کے علاوہ زخمیوں کی تعداد 1100 سے بھی متجاوز ہے۔

ترک حکومت نے اس بغاوت کے بعد کریک ڈاؤن کا سلسلہ شروع کیا، ہزاروں فوجیوں کو برطرف یا گرفتار کرلیا گیا جن میں 112 کے قریب فوجی جرنیل اور ایڈمرل اور دو ہزار سے زائد جج بھی شامل ہیں، نیز تقریباً پچاس ہزار سرکاری ملازمین کو معطل کردیا گیا، شعبہ تعلیم سے تعلق رکھنے والے بہت سے افراد کے ملک چھوڑنے پر پابندی لگادی گئی، اور کئی یونیورسٹیوں کے ذمہ داروں سے استعفیٰ لے لیا گیا۔ ترک میڈیا کے مطابق 34 صحافیوں کی دستاویزات منسوخ کردی گئیں، اور زیر حراست یا مفرور افراد میں سے تقریباً

10856 پاسپورٹ بھی منسوخ کر دیے گئے، اس کے علاوہ حفاظت کے پیش نظر 283 صدارتی محافظوں کو بھی حراست میں لے لیا گیا ہے۔

اسرائیلی حکام نے بغاوت کی ناکامیابی پر افسوس کا اظہار کیا ہے، اسرائیلی عسکری امور کے ماہر ''رون بن یشائی'' نے اسرائیل کے مشہور اخبار ''یدعوت احرونوت'' کو دیے گئے بیان میں کہا ''ترکی میں انقلابیوں نے سب سے بڑی غلطی یہ کی تھی کہ انھیں اپنی کارروائی کا آغاز اردگان کی گرفتاری سے کرنا چاہیے تھا، اگر انقلابی یہ غلطی نہ کرتے تو آج نتائج کچھ اور ہی ہوتے۔''

عرب صحافتی ذرائع نے یہ انکشاف کیا ہے کہ ترکی میں ہوئی اس فوجی بغاوت کے پیچھے ترک فضائیہ کے سابق سربراہ جنرل آوزتوک کا اہم کردار رہا ہے، جسے اسرائیل کا بہت قریبی تصور کیا جاتا ہے، وہ 1996 سے 1998 تک تل ابیب میں ترک سفارتخانہ کا ملٹری اتاشی بھی رہا ہے، اسی دوران اس کے اسرائیلی خفیہ ایجنسی موساد سے بھی گہرے روابط تھے، ماضی میں بحیرہ روم میں ہونے والی امریکہ، اسرائیل، ترکی کی مشترکہ عسکری مشقوں کے دوران بھی اس ترک جنرل کا اسرائیلی حکام سے قریبی رابطہ رہا ہے، گذشتہ برس اگست میں جنرل کو فوج سے فارغ تو کر دیا گیا تھا پھر بھی وہ قومی سلامتی کونسل کا اعلی رکن تھا۔

ترک حکومت نے اس ناکام فوجی بغاوت کا ماسٹر مائنڈ فتح اللہ گولن نامی شخص کو قرار دیا ہے جو اس وقت امریکی ریاست پنسلوینیا کے شہر سالس برگ میں مقیم ہے۔

2013ء میں فتح اللہ گولن ظاہری طور پر طیب اردگان کے حامیوں میں شامل تھے، لیکن ان کے خفیہ اقدامات خصوصا اعلی حکام کے فون رکارڈ کرنے، اسی طرح جعلی آڈیو بنانے اور پھر ان کو بلیک میل کرنے اور مختلف طریقوں سے اردگان کی پارٹی پر کنٹرول حاصل کرنے کی کوشش کے واقعات کے بعد اردگان اور گولن کے مابین اختلافات شروع ہوئے، اور 2013 میں جب طیب اردگان کے خلاف مظاہرے ہوئے تو ان مظاہروں میں تقریباً نوے فیصد گولن کے حامی شامل تھے۔

فتح اللہ گولن کی جڑیں ترکی میں اتنی گہری ہیں کہ ہر محکمہ سے اب تک ہزاروں کی تعداد میں ان کے حامی گرفتار کیے جاچکے ہیں، ان کے حامی دنیا کے مختلف ممالک میں موجود ہیں، ترکی میں ان کے رسوخ کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ ان کے معتقدین اعلیٰ سرکاری عہدیداروں کے فون ٹیپ کرتے ہوئے بھی پکڑے گئے ہیں۔

فتح اللہ گولن ترکی کی امیر ترین شخصیت کا نام ہے، جن کی سالانہ آمدنی 3 1 بلین ڈالر سے بھی زائد ہے، ان کی ''خدمت'' تحریک (ترکی نام حزمت) کے تحت ترکی و دیگر ممالک میں تین ہزار سے زائد اسکول، اکیڈمی، اور تربیتی مراکز قائم ہیں، بینکنگ و اسٹاک ایکسچینج میں بھی ان کی زبردست سرمایہ کاری ہے، اس کے علاوہ ترکی میں اس وقت آٹھ ٹی وی اسٹیشن گولن کی ملکیت ہیں۔

فتح اللہ گولن ترکی کا متنازعہ ترین کردار ہے، وہ اگرچہ خود کو سیاسی عزائم سے پاک قرار دیتے ہیں اور اپنی تحریک کو ایک مذہبی تحریک بتاتے ہیں لیکن درحقیقت وہ اردگان کی ان پالیسیوں کی سخت مذمت کرتے ہیں جو امریکہ و اسرائیل کے مفاد میں نہیں جاتیں۔

امریکہ و اسرائیل نے مختلف موقعوں پر ترک حکومت کی اسلام پسند کارروائیوں کے خلاف فتح اللہ گولن کو استعمال کیا ہے، اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ فتح اللہ گولن نے ترک حکومت کی شام میں مداخلت کی پالیسیوں کی کھل کر مخالفت کی، اس کے علاوہ جس وقت غزہ کے مظلوم فلسطینیوں کی امداد کے لیے ترکی نے اپنے امدادی بحری جہاز فلوٹیا کو وہاں روانہ کیا تو گولن نے ایک مرتبہ پھر اردگان کی اس پالیسی پر سخت تنقید کی اور بیان دیا کہ ترکی کو اسرائیل کی اجازت کے بغیر ایسا قدم نہیں اٹھانا چاہیے تھا، (.....**بقیہ صفحہ نمبر ٦٤**)

عالم اسلام

ترکی بغاوت کا اصل محرک

صاحبزادہ ضیاء ناصر
مانچسٹر، برطانیہ

ترکی کی حالیہ ناکام بغاوت چند دنوں، چند مہینوں اور چند افراد کی محنت کا نتیجہ نہیں تھی، بلکہ اس کے پیچھے ایک شخص کی پوری زندگی کی جدوجہد اور اس کے تیار کردہ لاکھوں لوگوں جو ترکی کے ہر محکمہ میں اعلی پوسٹوں پہ موجود ہیں، کی مُسلسل محنت کا نتیجہ تھا۔

اور اس کی پُشت پناہی عالمی سامراج بڑی ڈھٹائی سے کر رہا تھا، جن لوگوں نے پہلے دو تین گھنٹے عالمی میڈیا پہ نظر رکھی، وہ اس بات سے بخوبی آگاہ ہیں،

اس ناکام بغاوت کا بنیادی کردار فتح اللہ گولن نام کا ایک شخص ہے، جو اس وقت امریکی ریاست پنسلوانیا کی ایک شہر سالس برگ میں امریکی چھتر چھایا تلے 400 ایکڑ یعنی 3200 کنال کے گھر میں عیش وعشرت کی زندگی گذار رہا ہے، اس شخص کی سالانہ آمدنی 31 بلین ڈالر سے زائد ہے۔

فتح اللہ گولن ترکی کا متنازعہ ترین کردار ہے، جو چند لاکھ لوگوں کی نظر میں تو ہیرو ہے، لیکن ترکی کے کروڑوں عوام اسے مُلک و ملت کا باغی اور غدار سمجھتے ہیں، ترکی میں اس شخص کی جڑیں اتنی گہری ہیں، کہ اب تک اس کے پیروکار ہزاروں کی تعداد میں ہر محکمہ سے گرفتار کئے جا چکے ہیں، جن میں سے صرف عدلیہ میں سے 2500 سے زائد ججز اب تک گرفتار ہو چکے ہیں، فتح اللہ گولن صرف ایک شخص نہیں، ایک تحریک کا نام ہے، اندرون خانہ ان کا نام " جیش النور " اور " جنود الحق " ہے جس سے وابستہ افراد صرف ترکی ہی نہیں، بلکہ دنیا کے بہت سے ممالک خصوصا پاکستان اور بنگلہ دیش میں بھی سینکڑوں کی تعداد میں موجود ہیں اور فتح اللہ گولن کو پیغمبر یا نبی تو نہیں، لیکن اس کے قریب قریب درجہ ومقام دیتے ہیں،

فتح اللہ گولن 65 کُتب کا مصنف ہے، جن کا دنیا کی 35 زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے، اُس کی 13 کُتب کا اردو زبان میں بھی ترجمہ ہو چکا ہے، آڈیو وویڈیو کیسیٹس کی تعداد ہزاروں میں ہے،

ترکی میں فتح اللہ گولن کے اثر ورسوخ کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے، کہ اس کے معتقد اعلی حکومتی شخصیات کے ٹیلی فون تک ٹیپ کرتے پکڑے گئے ہیں،

آیئے دیکھتے ہیں

فتح اللہ گولن کون ہے؟

اس کی تاریخ کیا ہے؟

اور اس کا مشن کیا ہے؟

فتح اللہ گولن کی جائے پیدائش ایک چھوٹی سی بستی ہے، جس میں سال کے نو ماہ موسم سرما رہتا ہے۔ اس بستی کا نام کورو جک (Korucuk) ہے، جو صوبہ ارض روم (Erzurum) کے شہر 'حسن قلعہ' کا ایک نواحی علاقہ ہے۔ اس بستی کی آبادی ساٹھ ستر گھرانوں سے زائد نہیں۔ گولن کے آبا واجداد "اخلاط" نامی تاریخی گاؤں سے ہجرت کر کے یہاں آئے تھے۔ "اخلاط" صوبہ بتلیس میں پہاڑوں کے دامن میں واقع ایک چھوٹا سا گاؤں تھا۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے صحابۂ کرام کی اولاد میں سے بعض حضرات وادی بتلیس کے علاقے کی طرف آئے اور اس علاقے کے لوگوں کے روحانی پیشوا بن گئے، جس کے نتیجے میں اس علاقے کے ترک قبائل کے دلوں میں اسلامی روح جاگزیں ہوگئی۔

اس کورو جک نامی گاؤں کے امام مسجد رامز آفندی کے گھر 1941/04/27 کو پیدا ہونے والے بچے کا نام محمد فتح اللہ گولن رکھا گیا، یہ گھرانہ اتنا مذہبی تھا، کہ مصطفیٰ کمال پاشا کی طرف سے مذہبی تعلیم پہ سخت پابندی کے باوجود اس کی والدہ اپنے گاؤں میں عورتوں اور بچیوں کو مذہبی تعلیم دیتی رہی، اور کسی پابندی کی پرواہ نہ کی، فتح اللہ گولن کی ذاتی ویب سائیٹ کے مندرجات جس کی آزاد ذرائع سے تصدیق نہیں ہوسکی، کے مطابق چار سال سے بھی کم عمر میں اپنی والدہ سے قرآن مجید پڑھنا شروع کیا اور صرف ایک ماہ میں مکمل ناظرہ قرآن مجید ختم کرلیا، (میں اس کا انکار اس لئے نہیں کرسکتا، کہ ماضی قریب کے کچھ ایسے لوگوں کو میں ذاتی طور پہ جانتا ہوں، جنہوں نے مکمل حفظ قرآن صرف ایک ماہ میں کرلیا، اور یہاں تو ناظرہ قرآن مجید کی بات ہے) گولن نے ابتدائی پرائمری تعلیم اپنے گاؤں کے اسکول ہی میں حاصل کرنا شروع کی، اور عربی و فارسی زبانوں کی تعلیم وابتدائی دینی تعلیم اپنے والد رامز آفندی سے حاصل کرنا شروع کی، کچھ عرصہ بعد آپ کے والدین اپنے بعض دوستوں کے ظلم وستم و بیوفائی کا نشانہ بنے، اور اس علاقہ کو چھوڑنے پہ مجبور ہوگئے، دوسرے علاقہ میں چلے جانے کی وجہ سے ارض روم کے مختلف مدارس میں حصول تعلیم کا سلسلہ جاری رہا۔

رامز آفندی کا تعلق علماء وصوفیاء سے بہت گہرا تھا، اور ان کا دسترخوان وسیع ہونے کی بناء پہ جید ترین علماء وصوفیاء کا ان کے گھر بہت آنا جانا تھا، علماؤ صلحاء کی گفتگوں اس کے کانوں میں پڑتی رہتی تھی، اور ان سے ایک قلبی تعلق بننا شروع ہوگیا، اپنے بچپن کے دور میں جس شخصیت کے افکار و خیالات سے گولن بہت زیادہ متاثر ہوا، ان کا نام شیخ محمد لطفی الوارلی تھا، پون صدی کے قریب وقت گذر جانے کے باوجود گولن آج بھی ان کا نام انتہائی احترام اور محبت سے لیتا ہے، اور اس بات کا برملا اعتراف کرتا ہے، کہ میں اپنے جذبات، احساسات، اور بصیرت میں بڑی حد تک ان سے سنی ہوئی باتوں کا احسان مند ہوں، ایک وقت تھا، میں ان کے منہ سے نکلنے والی ہر بات کو کسی دوسرے جہاں سے وارد ہونے والے الھامات سمجھتا تھا،

اوائل عمری میں جس دوسری شخصیت کا فتح اللہ گولن کی فکری و علمی نشوونما پہ گہرا اثر رہا، وہ اس زمانہ کے بہت بڑے عالم اور چوٹی کے فقہاء میں سے ایک نامور "عثمان بکتاش" کی شخصیت ہے،

زمانہ طالب علمی میں رسائل نور، اور طلبۂ نور کی تحریک سے گولن کی شناسائی ہوئی، یہ ایک ہمہ گیر احیائی اور تجدیدی تحریک تھی، جس کے بانی خلافت عثمانیہ دور کے ممتاز عالم دین ومجاہد بدیع الزمان سعید النورسی رح تھے (جنہیں مصطفیٰ کمال پاشا

کے دور میں زندگی کا زیادہ حصہ جیلوں میں گذارنا پڑا، اوران کے ہزاروں معتقدین کو پھانسیاں دی گئیں) آخری بار جب ان کو جیل سے رہا کیا گیا، تو چھبیس رمضان کو رہا کیا گیا، اور ستائیس رمضان کو وہ اللہ کو پیارے ہوگئے، رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ ، گولن اپنی زندگی کا ایک بڑا حصہ ان سے بھی بہت متاثر رہا اور ان کا معتقد تھا ، (افسوس بعد میں وہ ان سب بزرگوں کی تعلیمات بھلا بیٹھا)

صرف چودہ سال کی عمر میں فتح اللہ گولن نے اپنے والد کی مسجد میں خطبۂ جمعہ دیا، جسے علاقہ کے لوگوں نے بہت سراہا،

گولن نے سعید نورسی رح کے آئیڈیاز اور ان کی تحریک کو لوگوں تک پہنچانا شروع کیا، انیس سال کی عمر میں گولن ارض روم کو چھوڑ کے مغربی ترکی کے شہر ادرنہ کا رخ کیا، جسے ترکی کا مغربی دروازہ سمجھا جاتا ہے، اسے اس شہر کی جامع مسجد " اُچ شرفلی" کا امام وخطیب مقرر کیا گیا، ڈھائی سال کے بعد یہاں سے کرکلارالی نامی شہر میں امام مقرر ہوا، یہاں سے 1966 میں ازمیر میں تبادلہ ہوا، پچیس سال کی عمر میں جب ازمیر شہر کی ایک مسجد میں گولن امام وخطیب تھا، تو اس نے چھوٹے بزنس مینوں اور بیوروکریسی کے افراد کو نورسی تحریک کے روشن اصول وضوابط کے ذریعہ اپنے حلقۂ اثر میں لانا شروع کیا، ازمیر کی جامع مسجد " کستانہ بازاری" سے ملحق "مدرسہ تحفیظ القرآن" کو اپنا مرکز مقرر کر کے اپنے کام کا آغاز کیا، قصبوں دیہاتوں چھوٹے اور بڑے شہروں میں وعظ کرنے شروع کئے، اور اتنا مقبول ہوگیا، کہ پورے صوبہ ارض روم اور دیگر صوبوں میں شیخ فتح اللہ کے نام سے مقبول ہوگیا۔

1970 کے آغاز میں تربیتی کیمپ لگانے شروع کئے اور اپنا حلقۂ اثر وسیع کرنا شروع کر دیا، مارچ 1971 میں اس وقت کی حکومت پہ فوجی دباؤ کے نتیجہ میں گولن کو اس الزام میں گرفتار کرلیا گیا، کہ گولن ملکی نظام کی اقتصادی، سیاسی اور معاشرتی بنیادوں کو تبدیل کرنے کی کوشش کر رہا ہے، چھ ماہ کے بعد عام معافی کا اعلان کیا گیا، اس کے نتیجہ میں گولن کو بھی رہا کر دیا گیا، یہی وقت تھا، کہ گولن کی سوچ وفکر میں یہ تبدیلی آئی، کہ جب تک فوج اور بیوروکریسی میں وسیع پیمانے پہ اپنے ہم خیال لوگ نہیں ہوجاتے، کامیابی ناممکن ہے،

ارباب اختیار نے گولن کو پہلے ادرمیت پھر مانیسا، اور اس کے بعد ازمیر کے ایک علاقہ بورنوا کی طرف منتقل کیا، 10 سال کا عرصہ گولن کو فٹ بال کی طرح مختلف علاقوں میں لُڑھکاتے رہے، لیکن گولن جس علاقہ میں بھی گیا، اپنی تقاریر اور شعلہ بیانی سے لوگوں کو متاثر اور اپنے قریب کرتا رہا،

گولن بنیادی طور پہ قوم پرست ہے، اور اس کی سوچ وفکر کا بنیادی زاویہ ترکی میں قوت و طاقت کا حصول و ذاتی معاشی استحکام تھا، گولن وجودی فلاسفہ مارکوس، البرٹ کامو، اور سارتر سے بہت زیادہ متاثر ہے،

1980 کے بعد کمالسٹ فوج اور بیوروکریسی کی مدد سے گولن نے " خدمت" (ترکی نام ہیزمت) تحریک کی ابتدا کی، شام کے ایک ممتاز عالم الشیخ محمد وائل الحسنبلی جن کی خدمت تحریک کے سرکردہ افراد سے تقریبا دس سال قبل شام اور کویت میں ملاقاتیں ہوتی رہی ہیں، کے بقول خدمت تحریک کے سرکردہ افراد جب شام اور کویت میں تبلیغ کے بہانہ سے آتے تھے، تو انکا اصل مطمح نظر بڑے بڑے بزنس مینوں سے اور سرکردہ افراد سے ملاقات اور ان کو اپنے حلقۂ اثر میں لانا اور ان سے چندہ

بٹورنا ہوتا تھا، تصوف سے وابستہ لوگوں کے سامنے یہ فتح اللہ گولن کو بہت بڑا صوفی بنا کے پیش کرتے ، سائنٹسٹوں کے سامنے بہت بڑا سائنٹسٹ، علماء کے سامنے بہت بڑا عالم اور حافظ الحدیث، سیاست دانوں کے سامنے بہت بڑا سیاست دان بنا کے پیش کرتے وغیرہ وغیرہ۔

خدمت تحریک نے اپنے کام کا آغاز ترکی میں اسکولوں ، اکیڈمیوں، اور تربیتی مراکز کے قیام سے کیا، جن میں پہلے درجہ سے ہی انگلش تعلیم لازمی تھی، مرد وخواتین اساتذہ کے درمیان ناجائز تعلقات کی حوصلہ افزائی کی جاتی، نیز بارہ چودہ سال کے بچے اور بچیاں جو نوجوانی کی دہلیز پہ قدم رکھ رہے ہوتے تھے، کو بھی آپس میں تعلقات بنانے کی طرف راغب کیا جاتا، اس سسٹم آف اسکول میں پڑھنے والے بچوں کے لئے ھاسٹل میں رھنا لازمی ہے، نیز سرکاری اسکولوں کے گریڈ آٹھ تک کے وہ بچے جو لائق ہوتے تھے، ان کے والدین سے ملاقاتیں کر کے ان کو یہ لالچ دیا جاتا کہ اگر آپ کے بچے ہمارے اسکولوں میں تعلیم حاصل کریں گے، تو فوج، پولیس، عدلیہ و بیوروکریسی کے دیگر محکموں میں ان کی ملازمتیں ہماری ذمہ داری ہے،

کچھ عرصہ بعد دیگر اسلامی و مغربی ممالک میں بھی مہنگے مخلوط اسکول بنانے شروع کئے،

1998 میں پوپ جان پال دوئم کی دعوت پہ اس سے اور کچھ ہی عرصہ بعد صیہونیوں سے ملاقاتوں کے بعد فتح اللہ گولن نے فتوی جاری کیا، کہ یہودی اور عیسائی بھی جنت میں جائیں گے، اور قرآن مجید یا احادیث میں جنت کا جو وعدہ صرف مسلمانوں کے لئے مسلم اسکالر پیش کرتے ہیں، یہ عرب کے جاھل بدوؤں کی طرف سے قرآن میں کی گئی تحریف ہے، (نعوذ باللہ)

اس فتوی کے بعد صیہونی سرمایہ کاروں کی طرف سے گولن کو اس کی تنظیم خدمت کے لئے لاکھوں ڈالر کے عطیات دئے گئے، جن سے اس نے ترکی اور دیگر ممالک میں اپنے اسکولز کی تعداد تین ہزار تک بڑھالی، اور پھر ان اسکولوں کی آمدنی سے پہلے جرائد ورسائل، پھر ریڈیو اسٹیشنز ، پھر ٹی وی و دیگر شعبوں بنکنگ ،اسٹاک ایکسچینج وغیرہ میں سرمایہ کاری کی گئی،

ترکی میں اس وقت آٹھ ٹی وی اسٹیشن فتح اللہ گولن کی ملکیت ہیں،

ترکی کے جن ڈراموں کو پاکستان میں بڑی محبت اور عقیدت سے دیکھا جاتا ہے، وہ ڈرامے گولن ٹی وی نیٹ ورک ہی کے تیار کردہ ہوتے ہیں، ان تمام کاروبارز سے 2013 تک گولن تحریک (خدمت) کی آمدنی 30 بلین ڈالر سالانہ سے زائد تھی

امریکہ میں موجود صیہونی لابی کے تعاون سے گولن نے امریکہ میں 129 اسکول قائم کئے، جن کی سالانہ آمدنی 400 ملین ڈالر ہے،

پاکستان، بنگلہ دیش، و دیگر اسلامی ممالک میں خدمت نے صیہونی فنڈنگ سے سینکڑوں اسکول قائم کئے ہیں، جن کا بظاہر دعوی یہ ہے، کہ ہم ٹرکش کلچر اور ٹرکش زبان کے فروغ کے لئے کام کر رہے ہیں ، ان اسکولوں کے قیام کے لئے ٹرکش نیشنلسٹ بزنس مینوں سے بھی کروڑوں ڈالر عطیات لئے گئے ہیں، نیز امریکہ میں موجود صیہونی لابی سے بھی کروڑوں ڈالر کے عطیات لئے گئے ہیں، جو تجربہ وہ کامیابی سے ترکی میں کر چکے ہیں، وہی تجربہ پاکستان، بنگلہ دیش و دیگر کئی عرب و مسلم ممالک میں کرنا چاہتے ہیں، کہ فوج اور سول بیوروکریسی میں ہمارے لوگ موجود ہوں۔

ترکی میں اس وقت کوئی محکمہ ایسا نہیں، جس میں گولن کی تنظیم خدمت کے افراد کلیدی عہدوں پہ موجود نہ ہوں،

گولن نے 1980 کے جنرل کنعان ایورن کے مارشل لاء کی ظاہری بھی اور اندرون خانہ بھی بہت زیادہ حمایت کی تھی ، انعام کے طور پہ فوجی حکومت نے گولن کو مالی انعامات سے نوازا، "زمان" اخبار جو اس سے قبل ایک چھوٹا سا علاقائی اخبار تھا دفعتاً پورے ملک کا دوسرے نمبر کا بڑا اخبار بن گیا، گولن 2013 تک صدر رجب طیب اردگان کا بظاہر بہت بڑا حمایتی تھا۔

لیکن اندرون خانہ گورنمنٹ میں مختلف خفیہ اقدامات خصوصا اعلی افسران کی فون ریکارڈنگ، اور اس کے نتیجہ میں ان کو بلیک میل کرنا، جعلی آڈیو ٹیپس بنانا، اور اردگان کی پارٹی پر کنٹرول کرنے کی کوشش کرنے کی وجہ سے اردگان نے 2013 میں اتحاد ختم کرلیا، اور ترکی میں اس کے اثاثوں کی چھان بین شروع کردی،

بنگلہ دیش میں جماعت اسلامی کے لیڈروں کو جب سزائے موت سنائی گئی تو طیب اردگان نے ان کی سخت ترین مخالفت کی، جب کہ گولن نے بنگلہ دیشی حکومت کی حمایت کی،

غزہ میں معصوم فلسطینی بچوں اور عورتوں پہ اسرائیلی فوجیوں کے ظالمانہ و بہیمانہ اقدامات کے خلاف سب سے مضبوط آواز عالم اسلام سے طیب اردگان کی تھی ، جب کہ گولن اسرائیلی اقدامات کی حمایت اور ان کو اس کا اندرونی معاملہ قرار دیتا رہا،

غزہ کے مظلومین کے لئے 2013 میں غذائی اجناس پہ مشتمل ایک فلوٹ بھیجا گیا، جسے اسرائیلی فوجوں نے بیچ سمندر میں روک لیا، پوری دنیا سے گولن کی واحد آواز اسرائیل کے حق میں اٹھی، کہ انہیں امداد لیجانے سے قبل اسرائیل سے اجازت لینی چاہئے تھی،

رجب طیب اردگان کے خلاف 2013 میں گیزی پارک میں ہونے والے مظاہرے کی کرتا دھرتا گولن کی خدمت تحریک ہی تھی اور نوے فیصد سے زائد مظاہرین کا تعلق گولن تحریک ہی سے تھا،

اسرائیل اور صیہونیوں سے قریبی اور مضبوط تعلقات اور ان مذکورہ بالا وجوہات کی بناء پر طیب اردگان نے فیصلہ کیا، کہ ہر سطح پہ گولن تحریک سے وابستہ افراد کے ملکی و اسلامی مفاد کے خلاف اقدامات کو سبوتاژ کیا جائے گا، پچھلے تین سالوں میں اس سلسلہ میں کافی مؤثر اقدامات کئے گئے ، اور ہزاروں گولنی افراد کو مختلف محکموں سے کان پکڑ کے باہر نکال دیا گیا۔

جس کے نتیجہ میں طیب اردگان کی حکومت کو فوج میں موجود اپنے حامیوں کے ذریعہ ختم کرنے اور ملک میں مارشل لاء لگانے کی کوشش کی گئی، اس بار تو اردگان اللہ کی رحمت اور عوام کی مدد سے بچ گئے ہیں، لیکن امریکی، ایرانی اور صیہونی آلۂ کار مستقبل میں بھی طیب اردگان کو چین سے نہیں بیٹھنے دیں گے، اگر ان کا مکمل قلع قمع نہیں کیا جاتا۔

رجب طیب اردگان کو اب پہلے سے بھی بہت زیادہ اپنے عوام کے قریب ہونا پڑے گا، اور ملکی و عوامی فلاح و بہبود کے لئے اپنا تن من دھن نچھاور کرنا پڑے گا، اللہ کریم ترکی کے غیور و بہادر مسلمانوں ہمیشہ اپنی رحمتوں کے سائے میں رکھے اور اندرونی و بیرونی دشمنوں سے ان کی حفاظت فرمائے ؛؛ آمین ؛؛

☆☆☆

عالم اسلام

اذانوں نے بغاوت ناکام کردی

محمد عالم مرادآبادی
Mob. 9557634698

نوٹ: مذکورہ مضمون استنبول سے نکلنے والے اخبار ''ہافینگٹون پوسٹ'' کے عربی ایڈیشن ۲۰۱۶/۸/۷ء میں شائع ہوا، مترجم نے انٹرنیٹ سے اس مضمون کو حاصل کر کے اردو قالب دیا، ادارہ افادۂ عام کی غرض سے مترجم کے شکریہ کے ساتھ اسے شائع کر رہا ہے۔ (ادارہ)

غورمازتر کی کی اس شخصیت کا نام ہے جس نے 90 ہزار مسجد کے میناروں سے بیک وقت وہ ندا لگائی جس نے ترک فوج کی بغاوت کو ناکام بنادیا۔

آخر یہ کیسے ہوا؟.....پیش خدمت ہے یہ پوری داستان۔

15 جولائی 2016 کی شام ترک فوج نے حکومت پر شب خون مارا، اقتدار پر اپنے قدم جمانے کی کوشش کی..... عوام نے اپنے کانوں سے ایک پیغام سنا کہ کچھ رہزنوں نے اقتدار پر شب خون مارا ہے اور قریب ہے کہ ترک عوام کا تابناک مستقبل ہاتھوں سے جاتا رہے، بس کیا تھا لوگ سڑکوں پر نکل آئے، مسجدوں کے میناروں سے اللہ اکبر کی صدائیں گونجنے لگیں، اور دیکھتے ہی دیکھتے، وہ خوفناک وہیب بادل چھنٹ گیا، جو برسوں کی محنت پر بجلی گرادینا چاہتا تھا۔ کیا آپ اس داستان کو پڑھنا چاہتے ہیں جس کا کردار حقیقی ہے۔

غورمازتر کی میں امور دینیہ کے صدر بمنزلۂ کے وزیر ہیں۔ وہ اس قصہ کو بیان کرتے ہیں:

کہتے ہیں کہ اس ناکام فوجی بغاوت نے مجھے اپنے بچپن کا ایک قصہ یاد دلادیا، میری عمر تقریباً 12 سال رہی ہوگی، میرے والد ایک مسجد میں امام تھے، جنگ قبرص کا زمانہ تھا، جس میں ترکی بھی شامل تھا اور ترکی کو شکست ہوچکی تھی، لوگوں کے پاس ترکی کی شکست کی خبریں مسلسل آرہی تھیں جس سے ایک کہرام مچا ہوا تھا، لوگ میرے والد کے پاس جمع ہوکر جنگی حالات کے مطابق فرداً فرداً سوال کررہے تھے، اس وقت میرے والد نے مجھے مسجد کے منارہ پر کھڑے ہوکر اذان دینے کا حکم دیا اور کہا کہ لوگوں سے مسجد میں جمع ہونے کے لئے کہو۔ (یہ وہی بچہ ہے جو آج ترکی میں امور دینیہ کا وزیر ہے اور ترکی میں شیخ غورماز کے نام سے مشہور ہیں۔) انہوں نے 15 جولائی کی رات کو جس وقت فوج نے بغاوت کی طیب اردوغان کے مشورہ سے ایک مختصر SMS ٹائپ کیا اس کو سوشل میڈیا پر وائرل کردیا اور خاص طور پر حکومت کے ان ایک لاکھ بیس ہزار کارندوں کے موبائل پر بھیجا جو ترکی کے مختلف شہروں اور دیہاتوں میں شعبۂ امور دینیہ سے متعلق کام انجام دے رہے تھے، SMS میں لکھا ہوا تھا۔ مساجد کے دروازہ کھول دئے جائیں، مائک میں اللہ اکبر کی صدائیں اور نبی پر صلاۃ وسلام پڑھا جائے۔ اور پھر میدان میں نکل کر اپنے حقوق کی حفاظت اور شریعت پر قائم رہنے کی صدائیں بلند کی جائیں۔

لوگوں نے اس پیغام کو کیسے ہاتھوں ہاتھ لیا، اور کیسے مسجد کے میناروں سے اٹھنے والی صداؤں پر لبیک کہا اس کی کیفیت شیخ غورماز خود بیان کرتے ہیں کہ جب عوام نے بے وقت

اذانیں سنیں تو وہ دوڑے چلے آئے شروع شروع میں تو لوگ کچھ نہ سمجھے جب ان کو مساجد کے ائمہ مؤذنین خطباء اور حکومت کے مخلص کارندوں نے حالات سے واقف کرایا، تو لوگ میدان میں نکل پڑے اور دیکھتے ہی دیکھتے لمحوں میں اس فوجی بغاوت کو ناکام بنادیا۔

مختصر یہ کہ اس واقعہ نے خلافت عثمانیہ کی اس یاد کو تازہ کردیا جب مسجد کے میناروں سے خوشی اور غم کے پیغامات عام کئے جاتے تھے۔

اذان سبب بنی بغاوت کی ناکامی کا:

شیخ غومازبیان کرتے ہیں کہ 15 جولائی کی شب ایک بات خلاف قیاس واقع ہوئی کہ اذانوں نے اور مساجد کے میناروں نے باغیوں کے قدم روک دیئے جبکہ میں نے اپنی زندگی میں 4 فوجی بغاوتیں دیکھیں جنہوں نے مسجد میں اذانوں کو بند کردیا لیکن یہاں اذانوں نے باغیوں کو قید خانوں میں بند کردیا۔

انہوں نے اس بات کا بھی ذکر کیا کہ جنگی طیارے آسمان میں پرواز کررہے تھے، جن کی خوفناک آوازیں نکل رہی تھیں، اور وہ مساجد کو گرادینے کا ارادہ رکھتے تھے لیکن ائمہ اور مؤذنین کے دلوں سے نکلنے والی اذان کی آوازوں نے جنگی طیاروں کو گرادیا اور بغاوت کو ختم کردیا، حقیقت میں نماز امن وسلامتی کا پیام ہوتی ہے۔ انہوں نے اس بات کا بھی ذکر کیا کہ بعض وہ علاقے جہاں باغی گروپ کے لوگ تھے انہوں نے لوگوں تک پیغام کو پہونچنے نہیں دیا اس طور سے کہ لائٹ سسٹم کو خراب کردیا بعد میں ان کو حکومتی مناصب سے برطرف کردیا گیا۔

گولن تحریک:

جہاں تک جماعت الخدمہ (ترک نام حزمت) کا تعلق ہے جس کی قیادت فتح اللہ گولن کے ہاتھ میں ہے اور جو ترکی میں اپنے آپ کو ایک متوازی نظام کے طور پر پیش کرتی ہے۔ حقیقت میں ملکی قانون کے لحاظ سے یہ ایک دہشت گرد تنظیم ہے۔ اس کے متبعین تقیہ کا سہارا لے کر اپنے اعتقادات کو چھپاتے ہیں جس کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔

البتہ یہ جماعت اپنے آپ کو ایک تعلیمی، ثقافتی، امن پسند تحریک کے نام سے متعارف کراتی ہے اس کے متبعین اپنے آپ کو معتدل اسلام سے وابستہ بتاتے ہیں، اس صورتحال نے ان بہت سارے لوگوں کو تشویش میں مبتلا کردیا ہے جو ترکی کے حالات سے دلچسپی رکھتے ہیں خواہ وہ ترکی کے رہنے والے ہوں یا بیرونِ ترکی کے۔

2013 میں جب ترکی حکومت کے اختلاف گولن تحریک کے ساتھ اپنی انتہا کو پہونچ چکے تھے اسی وقت ترکی حکومت نے بارہا کہا تھا کہ یہ تحریک بہت ہی راز دارانہ طور پر اپنے کام کو انجام دے رہی ہے، اور ایسی نئی چیزیں پیدا کررہی ہے جن کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں، اسی وقت ترکی حکومت نے ان ناموں کی بھی تعیین کی تھی جو اس تحریک میں شامل ہیں۔ اور اس پر بہت سارے سوالات کھڑے کئے جارہے ہیں۔

اس حقیقت کو سمجھاتے ہوئے شیخ غورماز کہتے ہیں کہ مجلس امور دینیہ 3 سال سے اس موضوع پر کام کررہی ہے یہ جماعت ایک یا دو دن کی پیداوار نہیں ہے بلکہ تحقیق کرنے پر پتہ چلا کے اس جماعت کی تقریبا 100 کتابیں 500 جریدے، اور 5000 ہزار کتابچے ہیں اس حقیقت کا اظہار خود گولن کے ان دس ساتھیوں نے بھی کیا ہے جو تقریبا 30 سال سے گولن کے ساتھ شریک رہے اب وہ لوگ گولن تحریک سے الگ ہوکر ہمارے ساتھ شامل ہیں۔

مجلس امور دینیہ اور مجلس شؤن الفتوی کی تحقیق کے مطابق گولن تحریک کے متبعین مہدی ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں، اور ان کا کہنا ہے کہ ہمارے لیڈر فتح اللہ گولن نبی ﷺ سے گفتگو کئے بغیر کوئی کلام نہیں کرتے بلکہ میں نے سینکڑوں لوگوں کے منہ

سے سنا ہے کہ وہ کسی نبی یا صحابی کے تعلق سے اس طرح بیان کرتے ہیں جیسے کہ ابھی مکہ ہو کر آئے ہوں۔

شیخ غورماز نے بڑے پختہ یقین کے ساتھ یہ بات کہی ہے کہ علماء نے اس جماعت کے تمام دلائل وشواہد پر غور خوض کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا ہے یہ تحریک منحرف افکار کی حامل ہے جو اسلام اور مسلمانوں کے لئے سخت نقصان دہ ہیں کیوں کہ یہ جماعت محرمات کو حلال اور مباحات کو حرام قرار دیتی ہے۔اس کے بے شمار دلائل ہمارے پاس موجود ہیں، ترکی اس وقت معتدل فکر اسلامی والا ملک ہے، ہم نہ کسی کو کافر کہتے ہیں نہ فاسق اور نہ گمراہ، ہم افراط وتفریط سے دور رہتے ہوئے ہر شخص کی بات ماننے کو تیار ہیں۔

شیخ غورماز نے کے مطابق کہ مجلس امور دینیہ نے اس بغاوت کی کوشش سے پہلے ہی ایک ہزار خطباء کو برطرف کر دیا ہے کیوں کہ یہ سب کے سب گولن تحریک سے منسلک اور اس کے گمراہ افکار سے متاثر تھے۔

گولن تحریک کی گمراہی اور کچھ شواہد:

(۱) گولن تحریک کی فکری گمراہی کو سمجھنے کے لئے ان کے خطباء ومقررین کے بیانات کو سنا جاسکتا ہے اور خود فتح اللہ گولن کے بیانات سے فکری انحراف ظاہر ہوتا ہے، ایک شخص نے ترکی عدالت میں یہ مقدمہ دائر کیا ہے کہ اس شخص کے تعلق سے حکومت کا کیا کہنا جو مہدی منتظر ہونے کا دعویٰ کرے، لوگوں کو گمراہ کرے اور ان کو دھوکہ دے، انہوں نے مزید یہ بھی کہا ہے کہ شمالِ مغرب کے ایک شہر سکاریا کی ایک لجنۃ القضاۃ نے 500 صفحات پر مشتمل ایک کتاب شائع کی ہے جس میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ گولن مہدی منتظر ہے اور اس کی ملاقات کبھی رسول اللہؐ سے ہوتی ہے اور کبھی جبرئیل سے، مقدمہ عدالتی رجسٹر میں درج ہے۔

شیخ غورماز نے واضح کیا ہے کہ اس ناکام فوجی بغاوت کے بعد ہمیں مزید معلومات حاصل ہوئیں اور خود اس بات کا اعتراف گولن تحریک کے متبعین نے کیا۔

یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ گولن کے ساتھ اردوغان کے اختلافات آج ہی رونما کیوں ہو رہے ہیں جب کہ ماضی میں اردوغان حکومت اور گولن تحریک کا اتحاد رہا ہے اور طاقت ور اسلامی گروپ کے نام سے ان دونوں کو جانا گیا ہے۔لیکن اچانک یہ اختلافات کہاں سے رونما ہوگئے، شیخ غورماز کا اس بارے میں کہنا ہے کہ چند سالوں پہلے جب کہ اردوغان ترکی کے وزیر اعظم تھے میں اردوغان کے پاس گیا (اس دوران حکومت اور گولن تحریک کے درمیان کچھ اختلاف رونما ہو رہے تھے) میں نے اردوغان سے کہا وإن طائفتان من المؤمنين..... فأصلحوا بينهما کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں مؤمنین کے گروہ میں اصلاح کا حکم دیا ہے۔ کیوں نہ جماعت خدمت سے جو اختلاف ہیں ان کو ختم کر لیا جائے، قبل اس کہ کہ وہ ایک خطرناک صورتحال اختیار کریں، اردوغان صاحب نے اس رائے کو قبول کیا۔

اور دس افراد گولن تحریک کے اور دس افراد حکومت کے آمنے سامنے بیٹھے تا کہ اختلافی مسائل میں اتحاد کی کوئی صورت نکالی جاسکے، حکومت کے ان دس افراد میں شیخ غورماز بھی تھے، رجب طیب اردوغان نے شروع ہی میں شیخ غورماز کو اس بات سے مطلع کر دیا تھا کہ ان لوگوں میں اتنی ہمت تو ہے نہیں کہ یہ کلام اللہ پر کوئی اعتراض کریں البتہ ان کا اختلافی مسائل پر متفق ہونا اور پھر اس اتفاق پر قائم رہنا بڑا مشکل ہے کیوں کہ اس تحریک کے پس پردہ دوسری طاقتیں سرگرمِ عمل ہیں۔اور ان کے تعلقات خارجی طاقتوں سے زیادہ مضبوط ہیں۔

صلح پر اتفاق: یہ مجلس تین نکات پر آکر ختم ہوگئی:

۱۔ گولن تحریک کی بنیاد ایک دینی تحریک کے طور پر پڑی اور اس کے اصول میں زکوۃ وصدقہ وغیرہ سب شامل ہیں

لہذا اس تحریک کو ایک اسلامی تعلیمی، ثقافتی اور اصلاحی تحریک کے طور پر کام کرنا ہوگا۔

۲۔ جماعت کے لوگوں پر قانون وعدالت کا احترام لازمی ہوگا۔

۳۔ جو آواز گولن نے حکومت کے خلاف اٹھائی وہ صرف صلح کے اعلان سے ختم سمجھی جائے گی۔

غورماز کے مطابق گولن نے ان تمام اصولوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے کہا کہ ہمارے لئے یہ شرائط قبول کرنا ممکن نہیں ہے۔

دوسری جانب غورماز نے اس بات کا بھی اعتراف کیا ہے کہ حکومت نے گولن تحریک کو سنجیدگی سے لینے میں تاخیر کی ہے، لیکن اس میں اردوغان کا کوئی قصور نہیں ہے، کیوں کہ ایسے وقت میں جبکہ شام عراق اور مصر کا مسئلہ اپنے عروج پر ہے اردوغان نے اپنے آپ کو داخلی معاملات میں الجھانا مناسب نہیں سمجھتے۔

شیخ غورماز نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ تحریک گولن سے مناقشہ کے بعد میری بات اردغان صاحب سے ہوئی انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ ہمیں پرامن طریقہ سے اپنے داخلی معاملات کو سلجھالینا چاہیے کیوں کہ ہمارے پاس مسائل کا انبار ہے، عراق وشام مصر وفلسطین میں لوگ مصیبتوں میں گرفتار ہیں، ہم نہیں چاہتے کہ داخلی فتنوں میں الجھ کر ہم اپنے وقت کو ضائع کریں، ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم امن کی فضا کو برقرار رکھیں خاموش طریقہ سے ان فتنوں کا سد باب کریں تاکہ ہم اپنے پریشان حال بھائیوں سے غافل نہ ہونے پائیں اور پوری دنیا میں ہمارا ربط ضبط ان سے بنا رہے۔

ترکی کے صدر رجب طیب اردوغان کا کہنا ہے کہ اس تحریک کی صورتحال زیادہ نازک وخطرناک 2009 سے ہوئی ہے، لیکن ہم نے داخلی فتنہ کو ختم کرنے کے لئے پرامن طریقہ اپنایا، لیکن ان لوگوں نے اس نرم رویہ کو قبول نہیں کیا، بلکہ الٹا مجھے قتل کرنے اور مجھ پر افترا پردازی کرنے کی کوشش کی یہاں تک کہ میرے گھر تک میں داخل ہوگئے۔

تحریک گولن صوفی تحریک: گولن کی جماعت خدمت درحقیقت ابتدا میں ایک صوفی تحریک تھی، لیکن رفتہ رفتہ اس نے اپنے افراد وآلۂ کار حکومت کے اہم مناصب پر پہنچا دیے، حکومت کی مشنری میں اپنے افراد اپنے خاص طریقہ اور انتہائی چابکدستی سے داخل کردیے، حکومت بھی اس کے خطرات کو محسوس نہ کرسکی اور یہ سب کچھ اس کی آنکھوں کے سامنے ہوتا رہا، البتہ ابھی چند سالوں سے اس کے خطرات محسوس کیے جانے لگے اور اس جانب توجہ دی گئی، کیوں کہ تحریک خدمت کی طرف سے بعض ایسے اقدامات ہوئے جو بڑے خطرات کا اشارہ دیتے تھے اور کسی صوفی تحریک سے جن امور کا صدور تصور نہیں کیا جاسکتا۔

غورماز صاحب کی رائے یہ ہے کہ اب یہ تحریک کوئی معمولی تحریک نہیں ہے۔ بلکہ اس نے ایک عالمی طاقت کی شکل اختیار کرلی ہے، اب اس کو کوئی معمولی تحریک نہیں سمجھا جاسکتا ہے، بلکہ اس کی طاقت فوج سے بھی زیادہ بڑھی ہوئی ہے جبکہ اس کے صوفیانہ افکار بھی کو قبول نہیں کیا جاسکتا ہے۔

اس تحریک کے ہاتھوں کو مضبوط کرنے میں جہاں تک ترکی حکومت کا تعلق ہے خود اردوغان صاحب نے اس بات کا اعتراف کیا کہ وہ اللہ سے توبہ کرتے ہیں اور اپنی قوم سے بھی معافی کی امید رکھتے ہیں اس لئے کہ ہم یہ سمجھتے تھے کہ یہ لوگ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں خدا کے لئے سجدہ ریز ہوتے ہیں، ہم خلوص نیت کے ساتھ ان کے شریک کار رہے جبکہ ان کی نیتوں میں فساد شامل تھا۔

شیخ غورماز نے اس بات کی بھی وضاحت کی ہے کہ خدمت تحریک یہ ابتداء ہی سے اسلام پسندوں کے خلاف اٹھنے والی ایک تحریک ہے کیوں کہ یہ لوگ 90 کی دہائی میں اربکان کے خلاف رہے اور ترکی کے سابق وزیراعظم پولند جاوید کا ساتھ دیا

، اس نے ان اسلام پسندوں کو کچلنے کی پوری کوشش کی جو نجم الدین اربکان کے ساتھ تھے۔ اور 1997 میں فوج نے ان کی حکومت کے خلاف بغاوت کی تھی۔

ذیل میں جمہوریہ مصر کے سابق مفتی اعظم مفتی علی جمعہ اور شیخ غورماز کے درمیان ہونے والی گفتگو کا خلاصہ درج کیا جاتا ہے، جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مفتی علی جمعہ کے فتح اللہ گولن سے کتنے مضبوط تعلقات ہیں، شیخ غورماز کہتے ہیں: جس وقت فوج نے رابعہ عدویہ میدان میں لوگوں کا قتل عام کیا میں نے علی جمعہ سے فون پر رابطہ کیا اور کہا، شیخ علماء کیا کر رہے ہیں، آپ اور شیخ الازہر کہاں ہیں، آپ کیا کر رہے ہیں اور ہم کیا کریں، اس کے ساتھ ساتھ اپنے دیرینہ تعلقات کا اظہار کیا اس طرح عمان کی راجدھانی اردن میں علی جمعہ سے ایک ملاقات طے پائی تا کہ مصر میں سلامتی کی فضاء قائم رکھنے کے لئے حکومت مصر، اور انقلابیوں اور دوسری جماعتوں میں صلح کا کوئی راستہ نکالا جائے۔

شیخ غورماز اور علی جمعہ کی فون پر رابطہ ہونے کے ٹھیک پندرہ منٹ بعد ایک دوسرے شخص نے شیخ غورماز کے پاس فون کیا اور وہ فون کرنے والا شخص گولن تحریک سے وابستہ تھا، اس کا نام اوزجان تھا، وہ مجلس شئون الدینیہ کا مبلغ اور ترکی کے باہر رہ کر کام کر رہا تھا، اس نے شیخ کے پاس اس لئے فون کیا تا کہ وہ یہ بتائے کہ پورا طے شدہ پروگرام اس کے علم میں ہے مزید اس نے یہ تجویز پیش کی کہ آپ اپنے رفقاء کے ساتھ عمان جانے سے پہلے استنبول میں ملاقات کر لیں، جب اس سے یہ معلوم کیا گیا کہ اس کو اس ملاقات کا علم کیسے ہوا، اس نے بتایا کہ علی جمعہ نے اردن کے سفر کی تفصیل میرے پاس بھیجی ہے بہر حال شیخ غورماز نے استنبول میں اوزجان سے ملاقات کی اس نے دورانِ ملاقات کہا کہ ترکی حکومت اور مجلس شئون الدینہ کا موقف مصری انقلاب کے بارے میں غیر مناسب ہے، اوزجان نے (اس وقت مصر کا وزیر دفاع عبدالفتاح السیسی) کی خوب تعریف کی اور کہا کہ وہ ایک مرد صالح مؤمن ہے اور جماعت خدمت اس کو اچھی طرح جانتی ہے اسی طرح فتح اللہ گولن بھی سیسی کو جانتے ہیں اور ان کے اس سے مضبوط تعلقات ہیں، شیخ غورماز کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے علی جمعہ سے کوئی رابطہ نہیں رکھا۔

اخوان اور خدمت تحریک میں فرق:

بعض اخوان المسلمین کے ناقدین ترکی فوج کی ناکام بغاوت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے یہ کہہ رہے ہیں کہ اخوان المسلمین اور جماعۃ الخدمۃ میں کوئی فرق نہیں ہے، اس طور سے سیسی کی بے جا گرفتاریوں کو جائز ٹھہرا رہے ہیں، لیکن صدر مجلس الشئون الدینیۃ ترکی کا کہنا ہے کہ:

"ممکن ہے اخوان سے ماضی میں کچھ غلطیاں سرزد ہوئیں ہوں۔ لیکن اخوان المسلمین نے علی الاعلان ایک اجتماعی سیاسی پلیٹ فارم کی بنیاد رکھی تھی، وہ عوام کے پاس گئے تھے، عوام نے ان کا ساتھ دیا جبکہ گولن تحریک نے اس کے برخلاف کیا، پہلے اپنے جوانوں کا فوج میں ایک لشکر تیار کیا جو کہ جماعۃ الخدمۃ کے اشارے پر کام کر رہا تھا، اور پھر 15 جولائی کو صدر کو قتل کرنا چاہا، عوام کا قتل عام کرنے کی کوشش کی لہذا یہ کہنا سراسر غلط ہے کہ جس طرح اردغان کا جماعۃ الخدمۃ کے لوگوں کو گرفتار کرنا صحیح ہے اسی طرح سیسی کا اخوان المسلمین کو قید کرنا صحیح ہے۔

مستقبل کے اندیشے:

اس وقت سوشل میڈیا پر گولن تحریک کی جانب سے حکومت کو دھمکی دی جا رہی ہے۔ کبھی صدر کو اور کبھی ان کے خاندان کو دھمکی کا نشانہ بنایا جا رہا ہے، اور کبھی جیل کا خوف دلایا جا رہا ہے، شیخ غورماز کا کہنا ہے کہ ہمیں اس طرح کی دھمکیاں ماضی میں بھی ملتی رہی ہیں، حکومت کو ان دھمکیوں کی کوئی پروا نہیں ہے، اور ان دھمکیوں کی اہمیت فلمی افسانوں سے زیادہ نہیں ہے۔

☆☆☆

دعوت احتساب

نئے تعلیمی سال کے آغاز پر اہل مدارس سے چند گذارشات

مفتی تنظیم عالم قاسمی (استاذ حدیث دارالعلوم سبیل السلام، حیدرآباد)
mdtanzimalam@gmail.com

اس میں شبہ نہیں کہ مدارس عربیہ تحفظ دین وشریعت کے قلعے اور مسلمانوں کے دلوں کے دھڑکن ہیں، بالخصوص بر صغیر ہند میں اگر مسلمانوں کا تشخص باقی ہے اور وہ امن وسکون کے ساتھ اپنے دین پر عمل پیرا ہیں تو یہ ان ہی مدارس ومکاتب کی رہین منت ہے، جنگ آزادی سے لے کر آج تک ہر دور میں اور ہر موڑ پر ان ہی مدارس کے فضلاء اور فیض یافتہ افراد نے مسلمانوں کی دینی، سیاسی، سماجی اور اخلاقی تعلیم وتربیت کی ضروریات کی تکمیل کی اور آج بھی دیہاتوں اور ناخواندہ علاقوں میں اگر مسلمانوں کی کوئی آبادی قادیانیت اور عیسائیت کے اثر سے محفوظ ہے تو ان ہی دینی اداروں کا فیض اور احسان ہے کہ یہاں کے فضلاء اور فارغ شدہ علماء کرام کم تنخواہوں پر بوریوں پر بیٹھ کر، کہیں کھلی چھت کے نیچے اور کہیں درختوں کے سائے میں مسلمانوں کو دین سے واقف کرا رہے ہیں، انہیں اور ان کی اولاد کو قرآن وسنت سے قریب کرنے کی تمام تدبیریں کرتے ہیں اور ان کے دین وایمان کی حفاظت کو اپنے لئے آخرت کی پونجی سمجھ کر مسلسل جدوجہد میں مصروف ہیں۔

۱۵ محرم الحرام ۱۲۸۳ھ میں چند نفوس قدسیہ کے ہاتھوں حفاظت دین کی غرض سے دارالعلوم دیوبند کا قیام عمل میں آیا اور پھر روشنی سے روشنی جلتی رہی نتیجتاً پورے ملک میں مدارس کا ایک جال بچھ گیا، ان مدارس کے وجود کا جو مقصد تھا وہ پورا ہوا اور کافی حد تک موجود حالات میں بھی اپنے اغراض کی طرف مدارس کا سفر جاری ہے۔ شب وروز محنتوں کے ذریعے نئے مسائل کا شرعی حل، نئے نئے چیلنجوں اور اہل حق پر اعتراض کا مکمل جواب، شریعت کے خلاف ہونے والی سازشوں سے مسلمانوں کو باخبر کرنے، وقت اور حالات کے اعتبار سے اہل اسلام کی تعلیم وتربیت کا انتظام، سیاسی اور سماجی مسائل میں مسلمانوں کی صحیح رہنمائی، موجودہ تعبیرات میں قرآن وحدیث کی تشریح وتوضیح، تصنیف وتالیف، وعظ وارشاد کے ذریعے مسلمانوں کی دینی تربیت اور نہ جانے کس کس طرح علماء اور فضلاء مدارس نے بے لوث قربانیاں پیش کی ہیں، جن کے نتیجے میں مسلمان دین وشریعت سے واقف ہیں اور آج کے اس بے دینی کے ماحول میں بھی ان کی رگوں میں ایمانی حرارت موجود ہے۔ اگر یہ مدارس نہ ہوتے تو مسلمانوں کو جنازے کی نماز پڑھانے والا بھی کوئی نہ ملتا اور نہ ہی انہیں اپنے مسلمان ہونے کی خبر ہوتی۔

لیکن تمام اہل مدارس کے لئے یہ پہلو بھی قابل توجہ اور لائق صد افسوس ہے کہ آج مدارس عربیہ کی کثرت کے باوجود وہ کارآمد افراد اور خدا ترس رجال مسلمانوں کو نہیں مل رہے ہیں

جن کی انہیں ضرورت ہے، ایسے مصلحین اور قائدین پیدا نہیں ہورہے ہیں جو اصلاحِ امت کی تڑپ اپنے اندر رکھتے ہوں اور جو ملت کے اختلاف وانتشار کو دور کرکے مسلمانوں کے لئے اتحاد کا پیغام بن سکیں، جن کے سینے میں حضرت مولانا محمد قاسم النانوتویؒ، حضرت مولانا محمود حسنؒ دیوبندی، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، حضرت مولانا الیاسؒ، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ، حضرت مولانا انوار اللہ شاہ فاروقیؒ محدث دکن حضرت مولانا سید عبد اللہ شاہؒ اور ان جیسے اکابر واسلاف کا خلوص، ان جیسا لگن اور ملت کا درد موجود ہو، آج سے پچیس تیس سال قبل اتنے مدارس نہیں تھے جتنے آج ہیں، اس کے باوجود اس وقت ہر شعبے میں کامل با صلاحیت، مستحکم استعداد والے افراد مل جاتے تھے، بیسویں صدی کی تاریخ آپ پڑھ جایئے، آپ کو محسوس ہوگا کہ یہ خیر القرون کا زمانہ ہے، مدارس اور مکاتب سے لے کر خانقاہوں تک جس مسند پر نظر پڑے گی وہاں ملت کے لئے تڑپنے والی، اخلاص وللّٰہیت کے ساتھ اپنے آپ کو مٹا دینے والی بھاری بھرکم شخصیتیں نظر آئیں گی، آپ کا دل اندر سے پکار اٹھے گا، یارب ! کیا تیری قدرت ومصلحت میں بیسویں صدی تک کو ہی اپنے نیک بندوں اور جید علماء کرام سے مالا مال کرنا تھا،..... جتنے کمالات واوصاف اور خوبیاں ایک فاضل میں ہونی چاہئیں، وہ سب ان میں موجود تھیں اور ان کا انہوں نے صحیح استعمال بھی کیا، ان کی خدمات، بے لوث قربانیوں اور شب وروز ہمہ جہتی سرگرمیوں سے سارے لوگ واقف ہیں اور بڑی عظمت کی نگاہوں سے انہیں دیکھتے ہیں۔

آپ کو اس بات کا اعتراف ہے اور کرنا چاہئے کہ بعض مدارس میں بخاری شریف پڑھانے والے کی ضرورت ہے، ذمہ داران دسیوں سال سے ان کی تلاش میں ہیں لیکن انہیں کوئی ایسا باصلاحیت فرد جو، بخاری شریف کا حق ادا کرسکے اور جس کی حدیث پر گہری نظر ہو، دستیاب نہیں اسی طرح ایسا عالم دین جو فقہی اصول وجزئیات پر درک رکھتا ہو اور جو شریعت کے مزاج اور اس کی باریکیوں سے واقف ہو، جو فن فقہ میں افراد سازی کا کام کرسکے، اہل مدارس ان سے بھی مایوس ہوچکے ہیں۔ یہی معاملہ تقریباہر شعبے میں ہے، اچھے مفسر، اچھے مصنف، اچھے مناظر، کامیاب مدرس ومبلغ کا وجود بھی اب لیت ولعل کا شکار ہوچکا ہے، ہر میدان میں دینی مدارس کی موجودہ کارکردگی کے تعلق سے مایوسی نظر آتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ مدرسہ پر مدرسہ قائم ہوتا جارہا ہے، گلی گلی میں دینی مدارس ومکاتب کا قیام عمل میں آرہا ہے۔ کسی شہر میں دس سال پہلے چار پانچ مدارس تھے تو اب اسی شہر میں سینکڑوں مدارس کی فہرست مل جائے گی اور ایک تخمینے کے مطابق پورے ملک کے مدارس عربیہ سے ہر سال دس ہزار سے زائد طلبہ فارغ ہورہے ہیں، آخر یہ نئے فضلاء کہاں چلے جاتے ہیں اور ان کے ذریعے خود مدارس کو مطلوبہ افراد کیوں دستیاب نہیں، معاشرہ اور سماج کی بے حیائیاں اور برائیاں بھی اپنے رخ پر تیزی سے رواں دواں ہیں، قوم وملت کے لئے درد دل اور خلوص ومحبت سے بات کرنے والی مسندیں آج بھی ویران ہیں، یہ وہ تلخ حقیقت ہے جس پر اہل مدارس کو سنجیدگی سے غور کرنے کی ضرورت ہے، اس کے اسباب وعلل پر سردست غور کرکے اگر سدباب نہ کیا گیا تو دینی مدارس کا وجود بے معنی ہوکر رہ جائے اور چند بے جان عمارتوں کے سوا آپ کو کچھ نظر نہیں آئے گا جس طرح وہ مدارس جو حکومت سے ملحق ہیں اپنا وجود کھو چکے ہیں اور اب ان کی بقاء میں ملت کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

راقم الحروف کا احساس ہے کہ آج مدارس کی کثرت کے باجود باصلاحیت اور مستحکم استعداد کے حامل کارآمد افراد اس لئے

دستیاب نہیں ہیں کہ مدارس میں اب معنویت اور روحانیت سے زیادہ ظاہری شان وشوکت پر توجہ دی جانے لگی ہے، جس طرح تجارتی منڈی میں ہر چیز کے مسابقے چل رہے ہیں اسی طرح دینی اداروں میں بھی مسابقت کا جذبہ چل پڑا ہے، کمروں اور بلڈنگوں کی زیادتی اور ظاہری وضع قطع کو سنوارنے کے ساتھ طلبہ کی زیادتی بھی مقصود ومطلوب ہوگئی ہے، چنانچہ ایسے طلبہ جن میں مطلوبہ جماعت کی صلاحیت نہیں ہوتی، جماعت کو پُر کرنے اور عوام کو زیادہ مقدار میں طلبہ بتانے کے لئے ان طلبہ کو مطلوبہ جماعت میں داخل کرلیا جاتا ہے، ظاہر ہے کہ ارباب مدارس کی نظر استعداد پیدا کرنے سے زیادہ طلبہ کی زیادتی اور جماعت کے پر کرنے پر ہوگی تو ایسے مدارس سے فارغ ہونے والے طلبہ کس کام کے رہیں گے؟ یہ طلبہ کی زندگی کے ساتھ کھلواڑ نہیں تو اور کیا ہے؟ مدارس میں داخل ہونے والے مہمانان رسولؐ فطرت انسانی کے تئیں جلد فراغت کا شوق رکھتے ہیں، انہیں اپنی عاقبت کے خراب ہونے کا احساس طالب علمی کی زندگی میں نہیں ہو پاتا، وہ جب فارغ ہوکر گھر واپس جانے لگتے ہیں اور اپنے آپ میں کوئی صلاحیت انہیں نظر نہیں آتی تو تجارت کی راہ اختیار کرتے ہیں یا پھر عصری علوم کی طرف ذہن منتقل ہوتا ہے اور از سر نو اپنی زندگی سنوارنے کی کوشش کی جاتی ہے بالآخر وہ کسی کام کے نہیں رہتے۔

اس طرح کے موجودہ حالات کے ذمہ دار صرف اور صرف اہل مدارس ہیں اگر یہ اپنے اداروں کو جیسا تیسا چلانے کے بجائے طلبہ کی پختہ صلاحیت کو مطمح نظر بناتے اور امت کے لئے مرمٹنے والے علماء پیدا کرنا ان کا نصب العین ہوتا تو ممکن ہے کہ مطلوبہ مقدار میں طلبہ انہیں دستیاب نہ ہوں اور بعض جماعتیں چند سالوں کے لئے خالی رہ جائیں لیکن ایسے مدارس سے فارغ ہونے والے طلبہ وقت کے آفتاب و ماہتاب ہوں گے۔ وہ جہاں بھی رہیں گے قوموں کی پاسبانی مقدر ہوگی اور ان میں ہوا کا رخ موڑ دینے کی بھرپور صلاحیت موجود ہوگی۔

بعض گوشوں سے یہ بات ذہن میں راسخ کرائی جاتی ہے کہ اتنے فضلاء اور فارغین کی کھپت مدارس ومکاتب میں نہیں ہے، افراد آج بہت ہیں اور کام کے مواقع کم، فراغت کے بعد مناسب جگہ نہیں مل پاتی ہے اس لئے وہ پریشان رہتے ہیں چنانچہ طلبہ کو چاہئے کہ وہ عصری علوم کی طرف توجہ دیں ..... اس طرح کے پروپیگنڈے سے متاثر ہوکر بعض طلبہ مایوس اور احساس کمتری کا شکار ہوکر رخ موڑ لیتے ہیں، بالآخر ان کی ساری صلاحیت ضائع ہوجاتی ہے۔ راقم الحروف کا خیال ہے کہ آج افراد زیادہ نہیں بلکہ کم ہیں، ہاں، فارغین اور ظاہری سند یافتہ افراد کی کثرت ہے مگر میری مراد کارآمد افراد ہیں جن کو کسی فن میں درک اور مہارت حاصل ہو، جو کسی فن میں کچھ کام کرسکیں، غور کیا جائے تو ہر میدان آپ کو خالی نظر آئے گا۔ طلبہ اگر ائمہ محدثین وفقہ اور اسلاف واکابر کی طرح محنت نہ بھی کرپائیں تو کم از کم اتنی محنت کریں کہ کسی فن کو سمجھنے کی اور اس کو برتنے کی صلاحیت پیدا ہوجائے اور ان میں اخلاص و للّٰہیت ہو تو آج بھی لوگ اپنی آنکھوں پر بٹھانے کو تیار ہیں۔ موجودہ دور میں پہلے سے زیادہ مواقع موجود ہیں، زندگی کی تمام ضروریات کی تکمیل بھی بحسن وخوبی ہورہی ہے اور اگر اس تعلیم کو ضمنی طور پر معاش سے جوڑا جائے تو اس کے لئے بھی آج بہترین مواقع ہیں۔ پھر ناامیدی اور احساس کمتری کیوں؟

ارباب مدارس کو چاہئے کہ عصری اداروں کی طرح اپنے اداروں میں سطحیت کو ہرگز جگہ نہ دیں، کوشش رہے کہ ان کے مدارس میں جو طلبہ بھی رجوع ہوں وہ اپنی مستحکم صلاحیت کے اعتبار سے اسلام کے صحیح ترجمان بنیں اور قوم وملت کے لئے وہ کارگر ثابت ہوسکیں، قوم سے لائے ہوئے پیسوں کو ان طلبہ کی

مثبت تعمیر میں خرچ کریں، ان کی جائز ضرورتوں کو پوری کر کے انہیں کتابوں میں ڈوب جانے کا ذوق دیں۔اس سے ان کا حوصلہ بلند ہوگا، ان میں کچھ کرنے کی ہمت پیدا ہوگی اور پھر یہی طلبہ قاسم ،رشید،محمود و اشرف ،انوار اللہ بن کر امت کو سیراب کرسکیں گے۔

عموماً فارغین مدارس کے اخلاق و کردار سے بھی بعض لوگوں کو شکایت ہوتی ہے، یہ وہ طلبہ ہوتے ہیں جن کے اخلاق کو سنوارنے اور ان کے کردار کو بہتر بنانے کی طرف مدرسہ میں توجہ نہیں دی جاتی، بعد میں یہی طلبہ جب فارغ ہو کر نکلتے ہیں تو ان کی پرانی عادت جو مستحکم ہو چکی ہوتی ہے وہ تبدیل نہیں ہوتی، مدارس کے ذمہ داران کو اس طرف بھی خصوصی توجہ کرنے کی ضرورت ہے، کبھی تقریر و بیان کے ذریعے، کبھی نصیحت و تلقین کے ذریعے اور کبھی اہل اللہ کی صحبت کا موقع فراہم کر کے، آج کے دور میں طلبہ میں علم نبوت ہوتا ہے مگر نور نبوت نہیں اور نور نبوت بزرگوں سے اصلاحی تعلق قائم کرنے سے ہی حاصل ہوتا ہے، دینی مدارس میں تزکیۂ قلوب اور اصلاح اعمال کا سلسلہ ہی تقریباً ختم ہو چکا ہے، حالانکہ علم میں نورانیت تزکیۂ قلب سے ہی پیدا ہوتی ہے۔

برصغیر کے معروف عالم دین مولانا محمد تقی عثمانی ایک جگہ لکھتے ہیں : ''میرے دادا حضرت مولانا محمد یٰسین صاحب دارالعلوم دیوبند کے ہم عمر تھے، یعنی جس سال دارالعلوم دیوبند قائم ہوا اسی سال ان کی ولادت ہوئی، ساری عمر دارالعلوم دیوبند میں گذاری، وہیں پڑھا اور وہیں پڑھایا، وہ فرماتے تھے کہ ''ہم نے دارالعلوم دیوبند میں وہ زمانہ دیکھا ہے کہ جب اس کے شیخ الحدیث سے لے کر اس کے دربان اور چپراسی تک سب صاحب نسبت ولی اللہ تھے۔ چوکیدار چوکیداری کر رہا ہے، دروازے پر بیٹھا ہوا ہے اور اس کے لطائف ستہ جاری ہیں'' (انعام الباری ۶/۷۳)

ایک شخص نے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی تصانیف جو ایک ہزار کے قریب تھیں ان کا ذکر کر کے عرض کیا کہ آپ نے اتنی تصانیف فرمائیں تو ہزاروں کتابیں دیکھی ہوں گی، حضرت نے فرمایا، ہاں، چند کتابیں دیکھی ہیں، ان کے نام یہ ہیں۔ حاجی امداد اللہ، مولانا یعقوب، مولانا رشید احمدؒ (مجالس حکیم الامت ۱۰۳)

حضرت تھانویؒ کے ارشاد کا مطلب تھا کہ میں نے کتابوں کے پڑھنے سے زیادہ اولیاء اللہ کی صحبت سے اکتساب فیض کیا ہے جس کی یہ برکت ہے اور جس کے سبب علم میں نورانیت پیدا ہوئی ہے۔اس لئے اہل مدارس کو اس کا بھی خاص طور پر اہتمام کرنا چاہئے۔ مدارس میں بزرگوں کی آمد و رفت سے طلبہ کے مزاج اور صالحیت پر بڑا اثر پڑتا ہے اور ایک نورانی ماحول قائم ہوتا ہے اور یہی دینی تعلیم و تربیت کا نچوڑ ہے ، بہرحال جس طرح بھی ہو طلبہ کے دل و دماغ اور ان کے کردار کو پاکیزہ بنانے کی ضرورت ہے کہ طلبہ کی ہر ادا اور طریقۂ کار میں اسلامی جھلک ہو اور وہ قرآن کی عملی تفسیر ثابت ہو سکیں ۔طالب علمی کی زندگی میں جب اس کا اہتمام ہوگا تو فراغت کے بعد یہی عادت برقرار رہے گی اور وہ اسلام کے نام پر کچھ کرنے کا حوصلہ رکھیں گے، علوم دینیہ کی تحصیل ایک بیش بہا نعمت اور اللہ کی جانب سے غیر معمولی تحفہ ہے۔اس میں منہمک رہنے والوں کے لئے بڑے فضائل ہیں، دین اور دنیا دونوں کی کامیابی، عزت اور سرخروئی اس سے حاصل ہوتی ہے اور ہمیشہ کا چین و سکون بھی، کاش! طلبہ اس کو سمجھیں اور اہل مدارس طلبہ کو ملت کے لئے تیار کرنے اور ان میں اسلام کی صحیح تڑپ پیدا کرنے میں مخلص اور معاون ثابت ہوں۔

☆☆☆

سوانح

حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمہ اللہ

ہند وپاک کے مختلف مکاتب فکر کی نظر میں

مفتی رحمت اللہ ندوی (دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ)
Mob. 9452111216

تمہیدی کلمات:

کسی تذکرہ وسوانح اور کسی کے حالات زندگی بیان کرنے اور کسی شخصیت کو موضوع بحث بنانے یا تحقیق کے لئے منتخب کرنے کا مقصد محض تاریخی مواد اور داستان گوئی نہیں بلکہ روحانی واصلاحی تحریک کے قائدین کے حالات وتعلیمات کے انتخاب میں ان اجزاء ومضامین کو اہمیت حاصل ہے جو نئی نسل کے لئے مفید، سبق آموز، قابل تقلید، عام فہم اور دلنشین ہوں۔

ایمان ویقین، عشق ومحبت، درد وسوز، جذبۂ اتباع سنت، عزیمت، علو ہمت، ذوقِ دعوت وتبلیغ، اصلاحِ اعمال واخلاق اور صحیح علوم ودینی حکم ومعارف ان بزرگوں کا اصل جوہر اور ان کی سوانح حیات کا اصل پیام ہے۔ (ملاحظہ ہو تاریخ دعوت وعزیمت ج ۳، ص ۱۶/۱۷)

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے عہد مبارک سے لے کر تقریباً تین سو برس تک کوئی ایسی کتاب نہیں لکھی گئی جس میں آپ کے سوانح حیات یکجا طور پر نظر آتے، البتہ ''ملفوظات خواجگانِ چشت'' اور ''سیر الاولیاء'' وغیرہ میں بعض روایات سوانح حیات سے متعلق ملتی ہیں، اس کمی کو پورا کرنے کے لئے مولانا جمالیؒ نے غالباً سب سے پہلے قلم اٹھایا ہے، غریب نواز کے منتشر سوانح حیات یکجا کرکے ''سیر العارفین'' میں لکھے ہیں۔ (ملاحظہ ہو معین العارفین)۔

اسلامی ہند کے معمار:

اگر چہ ۹۳ھ میں محمد بن قاسم ثقفی نے سندھ سے ملتان تک کے علاقہ کو اپنی شمشیر واخلاق سے مسخر کرلیا تھا، اور برصغیر ہند میں جا بجا داعیان اسلام کے مراکز وخانقاہیں قائم ہو چکی تھیں، لیکن حقیقتاً ہندوستان کی فتح کا سہرا سکندرِ اسلام سلطان محمود غزنوی (م ۴۲۱ھ) کے سر، اور مستحکم ومستقبل اسلامی سلطنت کے قیام کی سعادت سلطان شہاب الدین محمد غوری (م ۶۰۲ھ) کے حصہ میں تھی، اور آخری طور پر اس کی روحانی تسخیر اور اخلاقی وایمانی فتح حضرت خواجۂ بزرگ شیخ الاسلام معین الدین چشتی (۶۲۷) کے لئے مقدر ہو چکی تھی۔ (تاریخ دعوت وعزیمت ج ۳ ص ۲۲/۲۱)

ہندوستان کی روحانی فتح اور اس سرزمین پر اسلام کا پودا نصب کرنے کے لئے حکمت الٰہی نے چشتی سلسلہ کا انتخاب فرمایا، اگر چہ اس کے علاوہ سلسلے بھی وجود میں آچکے تھے، کیوں کہ چشتیوں پر اس ملک کا حق ہمسائیگی بھی تھا، اور اپنے دردمند مزاج اور نسبت عشقیہ کی بنا پر بھی ہندوستان کا دل جیت لینا اور اس کو اپنی محبت کا اسیر اور عشقِ الٰہی کا نخچیر بنالینا آسان تھا کہ زمانۂ قدیم سے محبت ودرد اس سرزمین کے خمیر میں ہے۔

سب سے پہلے جس چشتی شیخ نے ہندوستان کی طرف عنوان عزیمت موڑی وہ خواجہ محمد چشتیؒ (م ۴۰۹ھ یا ۴۱۱ھ) تھے، جن کی دعائیں اور بابرکت ذات سلطان محمود غزنوی کی

فتوحات کی پشت پناہ تھی لیکن جس طرح محمود کی سیاسی فتح کی تکمیل اور اسلامی سلطنت کے استحکام و استقلال کی سعادت سلطان شہاب الدین غوری کے لئے مقدر تھی، خواجہ محمد چشتی کے کام کی تکمیل اور اسلام کی عمومی اشاعت اور مستحکم اسلامی مرکز رشد وہدایت کا قیام اسی سلسلہ کے ایک شیخ، شیخ الشیوخ خواجہ معین الدین سجزی (سجستان کی طرف نسبت ہے، بعض حضرات کے نزدیک سجستان کے ایک خاص مقام سجز کی طرف نسبت ہے، غلط فہمی سے لوگ سنجری لکھتے اور بولتے ہیں، تفصیل کے لئے تاریخ دعوت وعزیمت ج ۳ ص ۲۴ کا حاشیہ ملاحظہ ہو، اسی میں اچھی تحقیق پیش کی گئی ہے۔) کے لئے مقدر ہو چکا تھا۔

ملک ہندوستان پر شرک وکفر اور بدعات وخرافات، جاہلی عقائد وتصورات اور خاندانی رسوم ورواج کا زبردست غلبہ تھا، آفتاب اہل یقین حضرت خواجہ معین الدینؒ کے قدم مبارک کا اس ملک میں پہونچنا تھا کہ اس ملک کی ظلمت نورِ اسلام سے مبتدل ہوگئی، ان کی کوشش وتاثیر سے جہاں شعائر شرک تھے وہاں مسجد ومحراب ومنبر نظر آنے لگے، جو فضا شرک کی صداؤں سے معمور تھی وہ نعرۂ اللہ اکبر سے گونجنے لگی۔ (ایضاً ص ۲۸، بحوالہ سیر الاولیاء ص ۴۷)

الغرض ہندوستان میں جو کچھ خدا کا نام لیا اور اسلام کا کام کیا گیا وہ سب چشتیوں اور ان کے مخلص وعالی ہمت بانی سلسلہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی کے حسنات اور کارناموں میں شمار کئے جانے کے قابل ہے، اور اس میں شبہ نہیں کہ اس ملک پر اس سلسلہ کا حق قدیم ہے۔ (ایضاً ص ۲۹)

پروفیسر نثار احمد فاروقی لکھتے ہیں:

''ہندوستان میں تصوف کے کئی خانوادے سرگرم عمل رہے ہیں مگر سب سے زیادہ اثر ونفوذ چشتی سلسلے کو حاصل رہا ہے، چھٹی صدی ہجری میں حضرت سلطان الہند خواجہ معین الدین چشتی غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ (ف: ۶۳۴ھ) کے قدمِ مبارک کے ساتھ یہ فیضان اس سرزمین میں آیا تھا اور اس زمانے سے آج تک سلسلۂ چشتیہ میں باکمال بزرگوں کا ظہور ہوتا رہا ہے۔

اخلاقی زندگی کے دو پہلو ہیں: اور اسلام کے مشن کا خلاصہ یہی دو لفظ ہیں: تحسین علاقۃ الإنسان باللہ (انسان کا اپنے اللہ سے بہتر رشتہ قائم کرنا) اور ''تحسین علاقۃ الإنسان بالإنسان'' (ایک انسان کا دوسرے انسان سے بہتر رشتہ قائم کرنا) ایک پہلو سے حقوق اللہ کے ادا کرنے کی تاکید اور دوسری مشق میں حقوق العباد سے عہدہ برآ ہونے کی'' (چشتی تعلیمات ص ۱۹/۲۰)

''ہندوستانی ملت اسلامیہ کے سب سے بڑے محسن، خواجہ خواجگان، شیخ الشیوخ، سلطان الہند حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ ان اہل اللہ اور خاصانِ خدا میں سے ہیں جن کے دم قدم سے برصغیر ہند پاک اسلام کی روشنی سے منور ہوا اور اس ملک میں توحید وسنت کا چراغ روشن ہوا، ان کی دینی، دعوتی، علمی اور روحانی خدمات میں سب سے نمایاں خدمت اس ملک میں مذہب اسلام کے قدم جمانا اور اسے استحکام عطا کرنا ہے۔''

(تذکرہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی از پیش لفظ ص ۵)

ہندوستان کے صوفیاء کرام میں خواجہ صاحب کا مرتبہ سب سے زیادہ بلند ہے، رسول اللہ ﷺ کی جانب سے ان کو ''قطب المشائخین'' کے لقب کی بشارت ملی۔ (سیر الاقطاب ص ۱۰۳، اور مونس الارواح کے حوالہ سے سید صباح الدین مرحوم نے اس جملہ کو اپنے کتابچہ میں نقل کیا ہے، لیکن ناچیز کے نزدیک یہ ترکیب محل نظر ہے، جیسا کہ عربی داں حضرات پر واضح ہے۔

''ملک المشائخ''۔ سلطان السالکین، منہاج المتقین، قطب الاولیاء، شمس الفقراء، ختم المہتدین کا لقب خواجہ قطب الدین بختیار کاکی نے دیا۔

''سیر العارفین'' کے مؤلف نے ان کو ''گوہر معدن تحقیق، لؤلوے لجۂ تصدیق، نیر انوار معرفت اور عرعر گلزار مشیخیت'' کہا ہے۔

''سیر الاقطاب'' کے مصنف نے ''قطب الاقطاب، حجۃ الاولیاء، مہبط انوار، مخزن المعرفت والحقیقت، پردہ انداز اسرار غیبی، چہرہ کشائے صور لاریبی'' اور صاحب ''سفینۃ الأولیاء'' نے ''زبدۂ

مشائخ اجلّ، وقدوۂ اولیائے اکمل'' کہا ہے۔ مولانا عبدالحق محدث دہلوی نے ان کو''سرحلقۂ مشائخ کبار'' لکھا ہے۔

شجرۂ نسب:

اگر چہ خواجہ صاحب کے شجرہ میں بہت اختلافات ہیں، مگر یہ مسلمہ ہے کہ آپ بلحاظ شجرۂ پدری حسینی ہیں، اور بلحاظ شجرۂ مادری حسنی ہیں'' (معین العارفین ص ۷)

نسب نامہ پدری کی چھٹی پشت میں معین الدین بن غیاث الدین، سید امام موسی کاظم جعفر صادق بن محمد باقر بن زین العابدین بن حسین بن علیؓ ہے، اور شجرۂ مادری بی بی ام الورع الموسوم بی بی ماہ نور و بی بی خاص الملکہ ___ آگے سیدنا عبداللہ محض بن حسن مثنی بن حسن بن علیؓ ہے۔

خواجہ معین الدین اور شیخ عبدالقادر جیلانی میں قرابت ہے۔ شیخ جیلانی، حضرت عبداللہ حنبلی کے پوتے ہیں اور حضرت خواجہ کی والدہ بی بی ماہ نور، حضرت عبداللہ حنبلی کی پوتی ہیں، ان ہر دو کے والد آپس میں بھائی بھائی ہیں، اس رشتہ سے حضرت خواجہ کی والدہ، شیخ جیلانی کی چچازاد بہن ہیں، اور وہ خواجہ کے ماموں ہیں، اس طرح شیخ جیلانی و خواجہ اجمیری آپس میں ماموں بھانجے ہیں۔ (تفصیل کے لئے معین العارفین ص ۸ ملاحظہ ہو)

اجمیر آمد:

.....''شہاب الدین غوری اجمیر اور دہلی کے راجاؤں سے شکست کھا کر گیا تھا، اور جوش انتقام میں بے چین اور بے قراری کی زندگی بسر کر رہا تھا کہ ہمارے خواجہ خواجگان اپنے مریدوں اور خادموں کے ایک خدا پرست قافلہ کے ساتھ دہلی میں پہونچے، آپ تبلیغ اسلام بے شک کرتے تھے مگر نہایت ہی نرمی اور موعظت کی شان سے۔ آپ کے روحانی کمالات کا یہ اثر تھا کہ ہندو بھی آپ کو قدر و منزلت کی نگاہوں سے دیکھتے اور آپ کی عزت کرتے تھے اور گو وہ تعصب کا زمانہ تھا اور یقیناً ہندو، مسلمانوں کو نہایت ہی وحشت اور نفرت کی نگاہوں سے دیکھتے ہوں گے، مگر آپ کی طرف دہلی پہونچ کر ہندوؤں نے بھی ویسی ہی توجہ کی جیسی کہ مسلمان لوگ کرتے تھے۔ اور آپ کی بارگاہ فیض میں اہل دہلی کا اس قدر ہجوم ہوا کہ مجبوراً آپ کو بہت ہی جلد دہلی چھوڑ کر اپنے اصلی مستقر یعنی شہر اجمیر کی طرف توجہ کرنی پڑی'' (تذکرہ حضرت خواجہ معین الدین اجمیری ص ۶۷/۶۸)

سید صباح الدین عبدالرحمٰن مرحوم لکھتے ہیں:

''سیر العارفین ہی کے مؤلف کا بیان ہے کہ حضرت خواجہ دہلی میں لوگوں کے ہجوم سے گھبرا گئے تو اجمیر تشریف لے آئے، پہلے ذکر آیا کہ اس زمانہ میں اجمیر اور دہلی کا حکمراں چوہان خاندان کا مشہور راجہ پتھورا تھا، اس کے مقربین نے خواجہ صاحب کے قیام میں بڑی مزاحمت کی اور جب انہوں نے حضرت خواجہؒ کی عظمت و کرامت کے مقابلہ میں اپنے کو بے بس اور لاچار پایا، تو ہندو جوگیوں کو خواجہؒ کو مغلوب کرنے کے لئے مامور کیا، ان میں تذکرہ نگار نمایاں طور پر جوگی جے پال کا ذکر کرتے ہیں، جس سے حضرت خواجہ صاحبؒ کے بڑے بڑے معرکے ہوئے، لیکن حضرت خواجہؒ اپنی روحانی قوت سے اس پر غالب رہے اور اس نے متاثر ہو کر حضرت خواجہؒ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا، جنہوں نے اس کا اسلامی نام عبداللہ رکھا اور خلافت بھی مرحمت فرمائی'' (خواجہ معین الدین چشتی ص ۱۹)

آگے ایک فارسی عبارت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ پتھورا کے ملازمین بھی مشرف بہ اسلام ہونے لگے، حضرت خواجہؒ کے اثرات بڑھے تو راجہ کی طرف سے ان کو اجمیر سے نکال دینے کی دھمکی ملی، لیکن حضرت خواجہؒ نے اس دھمکی پر صرف یہ ارشاد فرمایا:

''پتھورا را زندہ مسلمانان دادیم'' چنانچہ یہ پیشگوئی صحیح ثابت ہوئی، شہاب الدین غوری نے پتھورا کے خلاف ۵۸۸ھ میں جنگ کی، تو وہ گرفتار ہو کر مارا گیا'' (ایضاً ص ۱۹/۲۰)

مقام و مرتبہ اور علمی ذوق:

آپ کے مقام و مرتبہ کا اندازہ ''معین الہند'' کے مؤلف کے اس بیان سے لگائیے، وہ لکھتے ہیں:

''آپ کے پیرو و مرشد حضرت خواجہ عثمان ہارونی قدس سرہ آپ سے بہت خوش تھے، وہ آپ کو بہت عزیز رکھتے اور فرمایا کرتے تھے: ''ہمارا معین خدا کا محبوب ہے، مجھے اس کی مریدی پر فخر ہے۔'' (معین الہند ص ۱۳۵۔ معین العارفین ص ۷۵)

''خواجہ غریب نوازؒ نہ صرف ایک بہت بڑے خدا رسیدہ بزرگ، باکمال درویش، مبلغ اور مصلح تھے بلکہ آپ ساتھ ہی ساتھ ایک بڑے مفکر اور صاحبِ طرز مصنف اور خوش گو شاعر بھی تھے۔

آپ کی تصانیف علمِ تصوف میں ایک بیش بہا اضافہ ہیں'' (معین الہند ص ۱۳۹)

خصوصیات و کمالات:

''آپ سنت نبوی کے بدرجہ اتم پابند تھے، اور بجان دل اس کی رعایت بجالاتے تھے'' (معین العارفین ص ۷۵) ''اخلاق کریمانہ میں آپ اخلاق محمدی کے بدرجہ اتم مکمل نمونہ تھے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام پسندیدہ عادات اور نیک خصائل سے مشرف فرمایا تھا'' (ایضاً ص ۷۹)

آپ بہت حلیم اور منکسر المزاج تھے، سلام میں ہمیشہ سبقت فرماتے تھے۔ آپ غرباء اور محتاجوں کی امداد فرماتے تھے، بھوکوں کو کھانا کھلاتے تھے۔ اپنے محلّہ کی بیوگان اور بوڑھی عورتوں کی روزانہ صبح کی نماز کے بعد خبر گیری فرماتے تھے اور ان کے کاموں میں ان کی مدد فرماتے تھے'' (ایضاً ص ۸۰)

''ہندستان میں اسلام غریب نواز کے تصرفات باطنی، فیوض روحانی، اخلاق حمیدہ اور اسلام کی صداقت کی وجہ سے پھیلا نہ کہ تلوار سے'' (ایضاً ص ۸۲)

مقبولیت کا راز:

''آپ کا مسلک درویشانہ تھا، کبھی کسی پر تشدد اور غصہ نہیں فرماتے تھے، نہ بجبر کسی سے کوئی بات منوانا پسند کرتے تھے، آپ نے اسلام اور خدمت اسلام کو کبھی فراموش نہیں کیا، اسلامی قانون کے بموجب کبھی کسی مذہب کو برا نہیں کہا، نہ درویشانہ مسلک کے مطابق کبھی کسی مذہبی بحث و مباحثہ میں حصہ لیا، نہ کبھی کسی پر تلوار اٹھائی، آپ بلا امتیاز مذہب اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق کو شفقت کی نظر سے دیکھتے تھے ع درکفے جام شریعت، برکفے سندانِ عشق'' (معین العارفین ص ۱۳ از پیش لفظ)

اسی کتاب کے ص ۳ کے حاشیہ ۲ پر اقتباس الانوار ص ۱۴۱ کی عبارت ہے:

''آپ مشرب صوفیاء کے مطابق جو ایمان لاتا اسے مشرف بہ اسلام فرماتے، جو نہ لاتا اس سے مزاحم نہ ہوتے، آپ ہر فرقہ کے ساتھ تواضع سے پیش آتے، بایں وجہ مسلم، غیر مسلم، خویش و بیگانہ سب آپ سے محبت رکھتے تھے۔''

''معین العارفین'' مؤلفہ محمد خادم حسن زبیری، ایسی کتاب ہے جو غلو اور مبالغہ آرائی سے پُر ہے اس میں شرک کی نہ صرف بو اور آمیزش ہے بلکہ اس کی صاف جھلک اور گہری چھاپ ہے، عقیدۂ توحید پر کاری ضرب ہے، کوئی صحیح العقیدہ مسلمان اور سلیم الفطرت اور حساس انسان اس کو پڑھ کر تلملائے بغیر نہیں رہ سکتا، بلکہ سچی بات تو یہ ہے کہ پوری کتاب پڑھ ہی نہیں سکتا، اس کا ایک اقتباس پیش کیا جا رہا ہے جو کہ اگر چہ شرک آمیز ضرور ہے لیکن اس سے خواجہ صاحب کے ہندوستان آمد کے اولین مقصد اور خلقِ خدا میں ان کی محبوبیت و مقبولیت کا اندازہ ہوتا ہے:

''آپ کا اولین مقصد ہندوستان میں لوگوں کو مسلمان بنانا نہ تھا بلکہ انسان اور کامل انسان بنانا تھا، آپ نے مساوات، بے تعصبی، یگانگت، انسانی ہمدردی اور پر خلوص محبت کی تعلیم دی، آپ کا پیغام، پیام محبت تھا، آپ نے لوگوں کے دلوں میں بلا تفریق مذہب و ملت محبت کی تخم ریزی کر کے نہ صرف لوگوں کو رشتۂ یگانگت میں منسلک فرما دیا بلکہ ہمہ تن محبت بنا دیا، یہی وجہ ہے کہ آج تک ہر مذہب کے لوگ آپ کے روضہ پر حاضر ہوتے ہیں اور فیض ظاہری و باطنی حاصل کرتے ہیں..... پارسی یہاں گھی کے چراغ جلا کر قلبی روشنی حاصل کرتے ہیں، عیسائی یہاں دولت صرف کر کے عروج پاتے ہیں، ہندو نذر عقیدت پیش کر کے مالا مال ہوتے ہیں، سکھ یہاں حاضر ہو کر اپنے گرو

کی یاد تازہ کرتے ہیں، مسلمان شرفِ عبدیت سے فیضیاب ہوتے ہیں'' (از پیش لفظ ص ۴)

مسلمان صرف اللہ کا بندہ ہے اور اسی کے دربار میں شرفِ عبدیت سے فیض یاب ہوتا اور ہونا چاہیے، اگر ہر در، ہر آستانہ اور ہر درگاہ ومزار پر پر جبیں سائی کرنے لگے اور سر جھکانے اور خم کرنے لگے تو اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں رہ جائے گا، حیرت ہے کہ اس کتاب کے مؤلف نے اسی صفحہ کے اگلے پیراگراف میں خواجہ صاحب کے ایک ملفوظ کے حوالہ سے ان کے بارے میں لکھا ہے:

''آپ تمام موجودات عالم میں ایک ذات کو جلوہ فرما دیکھتے تھے، فرماتے ہیں: ''توحید سب کو ایک دیکھنا، ایک جاننا اور ایک کرنا ہے،'' آپ مذہبی تعصّبات کی تنگ نظری سے گزر کر ایک ایسے مقام پر تھے جہاں آپ کو ہر خدا رسی کا ذریعہ پسندیدہ تھا، کسی مذہب سے پُرخاش نہ تھی۔''

خواجہ صاحب نے اپنی محبت ومحبوبیت کے ایسے لازوال ولا فانی نقوش چھوڑے جو آج بھی فضائے عالم کو محیط اور اہل عالم پر سایہ فگن ہے۔

صاحب ''تذکرہ حضرت خواجہ معین الدین اجمیریؒ'' حضرت خواجہ کی جاذبیت اور مقبولیت کا ذکر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''حضرت خواجہ خوجگان رحمۃ اللہ علیہ کو حق تعالی نے نعمت مقبولیت سے ممتاز کیا تھا کہ یہ وصف، خواص بلکہ اخص الخواص اولیاء کرام میں پایا جاتا ہے..... حضرت خواجۂ خواجگان کی اصلی کرامت یہی ہے..... کہ قلیل عرصہ میں براعظم ہندوستان میں ہدایت پھیل گئی، جو صدہا سال میں بھی ہندوستان میں اشاعت پذیر نہ ہوئی تھی..... یہ جاذبیت ومقبولیت خداداد تھی کہ جہاں حضرت خواجہ پہونچتے تھے وہاں جاذبیت نظر اور مقبولیت الٰہی کی بدولت عرصۂ قلیل میں ایک انقلاب برپا ہوجاتا تھا، اور جو ملک یا خطہ تاریکیٔ کفر وجہالت میں مشہور تھا، وہی آپ کے چند روزہ قیام سے رشد وہدایت کا مرکز بن جاتا تھا۔'' (تذکرہ حضرت معین الدین ص ۹۳)

آگے ایک جگہ یوں تحریر فرماتے ہیں:

''عموماً تمام تذکرے اور ملفوظات وکتب تاریخ اس پر متفق ہیں کہ حضرت خواجۂ خواجگان اپنے زمانۂ سفر میں چندروزہ قیام کے لئے بھی جس ملک یا خطہ میں پہونچے ہیں، لوگ مشعل ہدایت پر پروانوں کی طرح ٹوٹ پڑے ہیں اور اس ہجوم سے آپ اپنی خلوت میں نقصان دیکھ کر وہاں سے روانہ ہوگئے ہیں۔'' (ایضاً ص ۹۴)

خطۂ سبزوار، غزنین اور بلخ ہر جگہ یہی نقشہ تھا، مخلوق کے ازدحام اور خلق کے انبوہ سے پریشان ہوکر جب دہلی سے ہجرت کرکے اجمیر کا قصد فرماتے ہیں تو اس کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرت مولانا معین الدین اجمیری لکھتے ہیں:

''اثنائے راہ میں تقریباً سات سو اشخاص نہیں بلکہ سات سو قبیلے یا خاندان آپ کے اسوۂ حسنہ کو دیکھ کر یا جاذبیت نظر کی بدولت، جو ایک کامل وسچے بزرگ میں قدرتاً ہوتی ہے، حلقہ بگوشِ اسلام ہوجاتے ہیں، اس کی شہادت خوش اعتقادی مسلمان ہی صرف ادا نہیں کرتے ہیں بلکہ عیسائی مؤرخین کی یہ شہادت ہے جو اسلام دشمنی اور اس کے ساتھ تعصب رکھنے میں ضرب المثل ہیں۔''

غرض موافق ومخالف سب آپ کی مقبولیت وجاذبیت نظر کے حق میں بالاتفاق شہادت ادا کرتے ہیں، ساز گو مختلف ہیں لیکن اس بارے میں کہ آپ کو مقبولیت اور مقبول ہونا من جانب اللہ عطا ہوا تھا، سب سازوں کی ایک آواز ہوجاتی ہے..... مقبولیت (جو کہ لوازمۂ جاذبیت ہے) کا یہ عالم تھا کہ ہندو مسلم دونوں آپ کے شمعِ اخلاق کے پروانے تھے، بیک نظر اگر کوئی دائرہ اسلام میں بھی داخل نہ ہوتو حلقۂ مخلصین میں ضرور شامل ہوجاتا'' (ایضاً ص ۹۶/۹۵)

ایک جگہ اس کا تذکرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''انہیں خصوصیتوں (حق گوئی وبے باکی، جواں مردی اور

اولوالعزمی، جابر وظالم راجاؤں کی ستم رانیوں کا ذرہ بھر خیال نہ کرنا) کی وجہ سے آپ ہندوستان میں اسلام کے اولی داعی اور مبلغ اعظم قرار دئے گئے اور یہ حضرت جبرئیل کی ندا کا اثر ہے کہ یہ مقبولیت آپ کو عطا ہوئی، تمام کتب تاریخ وتذکرے آپ کی شرف اولیت کا اعتراف کرتے ہیں۔'' (ایضاً ص ۹۸)

دیگر شہادتیں:

اس کے بعد ''اخبار الأخیار'' ''سیر الاقطاب'' اور ''سیر الاولیاء'' سے اقتباسات مع ترجمہ بطور نمونہ پیش کئے ہیں اور لکھا ہے کہ اگر سب کا احاطہ کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب تیار ہوجائے، آگے لکھتے ہیں:

''مسلمانوں کی شہادت کے علاوہ بعض عیسائی مستشرقین کی شہادت تو یہاں تک ہے کہ براہ راست خاص آپ کے ہاتھ پر جو ایمان لائے ان کی تعداد نوے لاکھ تک پہونچ گئی تھی اور یہ کوئی قابل تعجب امر نہیں، جس کی خداداد کشش اور جاذبیت نظر اس قدر بڑھی ہوئی ہو کہ اس کی بدولت محض دہلی اور اجمیر کی درمیانی مسافت طے کرنے میں سات سو قبیلے و خاندان حلقہ بگوش اسلام ہوجائیں تو نصف صدی کے قریب تک اس کی تبلیغ وہدایت سے مسلمانوں کی تعداد نوے لاکھ تک پہونچ جانا، کوئی بعید بات نہیں ہے۔'' (ایضاً ص ۹۹)

''سیر العارفین میں مولانا جمالی لکھتے ہیں:

''اس دیار (ہندوستان) کے بہت سے کفار نامدار، ببرکت زبدۃ الأسرار (حضرت خواجہ غریب نواز) شرف ایمان سے مشرف ہوئے، بہت سے جو ایمان نہ لائے وہ بھی بے حد نذور وفتوح آپ کی خدمت میں بھیجا کرتے تھے'' (معین العارفین ص ۸۲)

پس از مرگ مقبولیت:

خواجہ صاحبؒ کے فیوض وبرکات اور کرامات وخوارق عادات عام طور سے بہت مشہور ہیں، اور آج بھی ان کی ابدی خواب گاہ کی زیارت کے لئے ہندوستان کے ہر گوشہ کے لوگوں کا ہجوم ہوتا ہے۔'' (خواجہ معین الدین چشتی از سید صباح الدین ص ۲۶)

''دائرہ المعارف'' میں لکھا ہے:

''ان کے مزار کا ہندو اور مسلم دونوں احترام کرتے ہیں اور ان کے عرس کے موقع پر وہاں پاکستان و ہند سے لاکھوں آدمی جمع ہوتے ہیں،'' (دائرۃ المعارف ج ۷ ص ۶۴۶)

خواجہ اجمیری کی مقبولیت اور خلق کا رجوع عام جس طرح زندگی میں تھا اور ہر طبقہ کے لوگ مثلاً سلاطین، امراء، حکام، شعراء اور مشاہیر حاضری دیتے تھے اسی طرح ان کی وفات کے بعد ان کی درگاہ مرجع خلائق ہے، اگرچہ بدعات وخرافات اور شرک سے پر ہے، چند عظیم شخصیات کے نام درج کئے جاتے ہیں جنہوں نے حاضری دی:

سلطان شہاب الدین غوری، سلطان شمس الدین التمش، سلطان محمود خلجی، سلطان ظفر خاں، شہزادہ بہادر خان بن سلطان مظفر گجراتی، شیر شاہ سوری، سلطان جلال الدین اکبر، شہباز خان، سلطان نور الدین جہانگیر، سلطان شہاب الدین شاہجہاں، شہزادی حور النساء بنت شاہجہاں، شہزادی جہاں آراء بیگم بنت شاہجہاں، سلطان محی الدین اورنگ زیب عالمگیر، لارڈ کرزن وائسرائے ہند (۱۹۰۲) شاہ افغانستان امیر حبیب اللہ (۱۹۰۷ء) نواب حامد علی والی ریاست رامپور (۱۹۰۹ء) میر عثمان علی خاں نظام حیدر آباد، دکن، مہاراج گوبند سنگھ والی ریاست دیتا (۱۹۱۲ء) مہاتما گاندھی (۱۹۲۰ء) مہاراجہ رانا ادھے بھان سنگھ والی ریاست دھولپور، مہاراجہ سرکشن پرشاد، صدر اعظم دولت آصفیہ حیدر آباد، دکن، مولانا محمد علی جوہر (۱۹۲۸ء) پنڈت جواہر لال نہرو، وزیر اعظم بھارت سرکار، راج گوپال اچاریہ (۱۹۴۹ء) کری آیا کمانڈر انچیف بھارت سرکار (۱۹۵۰ء) ڈاکٹر راجندر پرشاد، صدر اعظم بھارت سرکار، (۱۹۵۱ء) نیتو بابو (پرائیویٹ سکریٹری رانا صاحب دھولپور) یہ تمام حضرات قابل ذکر ہیں۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو معین العارفین از ص ۱۱۰ تا ص ۱۱۸ یہ کتاب ۱۴ر جولائی ۱۹۵۳ء کی تحریر کردہ ہے، اور ناموں کے آگے درگاہ اجمیر حاضری کا سن ہے، نیز ملاحظہ ہو خواجہ معین الدین چشتی

ازسید صباح الدین عبدالرحمٰن ازص ۲۶ تا ۲۹)

لوگوں کے اعتقادات:

خواجہ صاحب کے بارے میں مختلف طبقات کے لوگوں کے چند اعتقادات وتصورات قلمبند کئے جاتے ہیں تا کہ اندازہ ہو کہ کس قدر خرافاتی اور شرک آمیز ہیں اور امت کس قدر جہالت بلکہ جاہلیت میں گرفتار ہے اور ہندوانہ ومشرکانہ تقلید میں کتنی اندھی ہوچکی ہے:

بعض حاضرینِ عرس کا اعتقاد :اگر ہم عرس پر حاضری نہ دیں گے تو اس فیض عام سے محروم ہوجائیں گے جو مخصوص عرس کے موقع پر ہوا کرتا ہے اور ہمارا سال بفراغت نہیں گزرے گا۔

اہلِ سندھ کا اعتقاد :اہل سندھ کا عقیدہ ہے کہ آپ کے روضہ پر سات مرتبہ حاضری دینا ایک حج کے برابر ہے، چنانچہ اکثر اہالیان سندھ حج کے موقع پر حاضری دیتے ہیں۔

میواتیوں کا اعتقاد :میواتی صاحبان عرس کے موقع پر قل سے ایک دن پہلے چلے جاتے ہیں، ان کا عقیدہ ہے کہ قل موتی (مردے) کا ہوا کرتا ہے مگر آپ زندۂ جاوید ہیں، اس لئے قل کیسا اور اس میں شرکت کیسی؟

امیروں کا اعتقاد :جتنا ہم دربار خواجہ میں صرف کریں گے، اس سے بدرجہا زیادہ پائیں گے، اس لئے یہاں اکثر ذی حیثیت صاحبان بالخصوص بمبئی کے امیر لوگ بے دریغ امور خیر میں خرچ کرتے ہیں۔

بعض تاجروں کا اعتقاد:

بعض تجار اپنی دکان کھولنے سے پہلے دوکان کی کنجیاں آپ کی درگاہ کی سیڑھیوں سے حصولِ برکت کے لئے مس کرتے ہیں، بعض درگاہ کی سیڑھیوں کے دھووں کا پانی اپنی دوکان کی ترازو اور باٹوں پر چھڑکتے ہیں۔

صوفیاء کا اعتقاد :اگر ہم آپ کی درگاہ میں جاروب کشی کریں گے تو ہمیں قلب کی صفائی حاصل ہوگی، اگر روشنی کریں گے تو دل میں روشنی پیدا ہوگی، اگر یہاں لوگوں کو پانی پلائیں گے تو دل کی پیاس بجھے گی، اگر یہاں سر جھکائیں گے تو سرفرازی ہوگی۔

عام عقائد : آپ کے دربار سے کوئی محروم نہیں جاتا، ہر شخص جو آتا ہے کچھ نہ کچھ لے کر جاتا ہے، آپ کا فیض عام ہے، لوگ اپنے بچوں کی ترقی عمر کے لئے انہیں درگاہ میں مصری اور شیرینی وغیرہ میں وزن کرا کر تقسیم کرتے ہیں، اور بچوں کے بال یہاں اتر واتے ہیں۔

لوگوں کا عقیدہ ہے کہ غریب نواز کے دربار میں تمام معاملات طے کئے جاتے ہیں، اس لئے حاجتمند اپنی اپنی درخواستیں لکھا کر آپ کے روضہ کے کٹھرے کے بذریعہ وسیل آستانہ بندھواتے ہیں۔ (معین العارفین ص ۱۰۰، از محمد خادم حسن زبیری)

وفات حسرت آیات:

تقریبا نصف صدی ارشاد وتلقین، اسلام کی اشاعت اور داعیانِ اسلام واہلِ قلوب کی تعلیم وتربیت اور دیارِ حق میں سرگرمی کے ساتھ مشغول رہ کر ۹۰/ سال کی عمر میں ۶۲۷ھ (واضح رہے کہ سن وفات میں اختلاف ہے، عام طور پر تین سن لکھے گئے ہیں: ۶۲۷ھ، ۶۳۲ھ، ۶۳۳ھ، صاحب ''سیر الاقطاب'' نے ''آفتاب ملکِ ہند'' سے سنہ وفات ۶۳۳ھ استخراج کیا ہے، صاحب ''خزینۃ الاصفیاء'' نے بھی یہی سن وفات مانا ہے۔) میں اس وقت رحلت فرمائی، جب ہندوستان میں ان کے ہاتھ کا لگایا ہوا پودا جڑ پکڑ چکا تھا اور دارالحکومت دہلی میں ان کا جانشین وتربیت یافتہ شیخ وقت (خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ) ارشاد وہدایت کے کام میں سرگرم ومنہمک تھا، اور ان کا عقیدت مند وحلقہ بگوش سلطان شمس الدین التمش اسلامی حکومت کی توسیع واستحکام اور عدل گستری وخلق پروری میں مشغول تھا۔ (تاریخ دعوت وعزیمت ج ۳ ص ۳۰/۳۱)

حرف آخر:

میرا موضوع حضرت خواجہ علیہ الرحمہ سے متعلق ہندو پاک

کے مختلف مکاتب فکر، مثلاً، شیعہ، سنی، بریلوی، دیوبندی اور سلفی حضرات کے آراء اور ان کے نقطہائے نظر واضح کرنا تھا، لیکن تلاش وجستجو کے بعد کتابوں اور تحریروں میں اس طرح کا مواد نہ مل سکا، البتہ جو کچھ مواد خواجہ صاحب کی مقبولیت ومحبوبیت اور کشش وجاذبیت پر جمع کر دیا گیا ہے، اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ان کو تمام حلقوں میں یکساں مقبولیت حاصل تھی، سہولت کی خاطر ہم دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں:

۱۔ حضرت خواجہ کی ذات، کمالات، اوصاف و خصوصیات اور تعلیمات وملفوظات۔

اس قسم میں اختلاف بہت معمولی ہے، اور تین سو برس کے بعد ان کی سوانح تحریر کرنے اور ہر طرح کے رطب و یابس ملا دینے کی وجہ سے ہے۔ ان کے بعض ملفوظات بھی اختلاف کا باعث ہیں جن پر خالص طریقت وتصوف کا رنگ چڑھا ہوا ہے، یا ان کی حقیقت موجودہ صوفیاء نے بدل کر رکھ دی ہے۔ یا جن میں بظاہر شریعت سے مطابقت نہیں ہے یا ان کو شریعت کے مطابق کرنے کے لئے بیجا تاویل وتوجیہ سے کام لینا پڑتا ہے۔

۲۔ خواجہ صاحب کی درگاہ اور مزار پر ہونے والے شرکیہ اعمال، فاسد تصورات، بدعات وخرافات۔

ظاہر ہے کہ کوئی بھی سلیم الفطرت، سچا مسلمان اور باحمیت انسان ان سے اتفاق نہیں کر سکتا۔ صرف وہی لوگ ان امور واعمال کو بنظر تحسین دیکھ سکتے ہیں جو منحرف، گمراہ اور راہ راست سے بھٹکے اور ہٹے ہوئے ہیں، اور ان کی فطرت سلیم مسخ یا کج ہوگئی ہے۔

اللہ تعالیٰ بزرگانِ دین، اہل اللہ اور صوفیاء کرام کے بارے میں صحیح تصورات اور اعتقادات رکھنے اور ان کی درست تعلیمات و ہدایات سے مستفید ہونے اور شریعت وسنت کی اتباع کرنے کی توفیق دے۔ ان کے بارے میں افراط و تفریط، غلو اور مبالغہ سے محفوظ رکھے، ان کی خدمات وحسنات کو قبول فرما کر ان کی بشری کوتاہیوں کو درگزر فرمائے۔ (آمین)

اللهم أرنا الحق حقا، وارزقنا اتباعه، وأرنا الباطل باطلاً، وارزقنا اجتنابه، الحمدلله الذى هدانا لهذا، وماكنا لنهتدى لولو أن هدانا الله، والصلاة والسلام على خير خلقه محمد رسول الله وعلى آله وسلم۔

مراجع و مصادر:

۱۔ خزینۃ الاصفیاء، غلام سرور بن مفتی غلام محمد ہاشمی لاہوری

۲۔ تاریخ دعوت وعزیمت سوم، مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی، مجلس تحقیقات ونشریات اسلام ندوۃ العلماء لکھنؤ

۳۔ خواجہ معین الدین چشتی، مولانا عبدالحلیم شرر، دلگداز پریس لکھنؤ، ۱۹۷۲ء

۴۔ معین العارفین، محمد خادم حسن زبیری، معینی گوڑی شاہی اجمیری

۵۔ معین الہند، ڈاکٹر ظہور الحسن شارب

۶۔ معین الاولیاء، قاضی سید امام الدین خان، ڈپٹی کلکٹر ضلع اجمیر، سن تالیف ۱۲۱۳ء

۷۔ تذکرہ حضرت خواجہ معین الدین اجمیریؒ، مولانا معین الدین اجمیری، صفہ اکیڈمی اجمیر

۸۔ خواجہ معین الدین چشتی، سید صباح الدین عبدالرحمٰن، دارالمصنفین اعظم گڑھ

۹۔ چشتی تعلیمات اور عصر حاضر میں ان کی معنویت، ڈاکٹر نثار احمد فاروقی، جامعہ نگر نئی دہلی، ۱۹۸۱ء

۱۰۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ (ج ۷ ص ۶۴۵ تا ص ۶۴۷)، زیر اہتمام دانشگاہِ پنجاب، لاہور، طبع اول ۱۳۹۱ھ، ۱۹۷۱ء

نوٹ: یہ وہ مراجع ہیں جن سے براہ راست استفادہ کیا گیا اور مقالہ میں ان کے حوالے آئے ہیں، ورنہ ان کے علاوہ دیگر کتب سے بھی استفادہ کیا گیا ہے، فالحمدللہ علی ذلک۔

☆☆☆

الوداعی خطاب

ضبط وترتیب:۔حسن عمار/محمد عالم مرادآبادی

نوٹ: عالیہ ثالثہ کے رخصت ہونے والے طلبہ سے الوداعی تقریب میں مدرسہ کے عمید جناب ڈاکٹر محمد طارق ایوبی صاحب نے جو خطاب کیا، افادۂ عام کی غرض سے اسے نذر قارئین کیا جارہا ہے۔ (ادارہ)

اقول لکم ماقال نبینا محمد ﷺ عند رحلة اصحابه:استودع الله دینکم وأمانتکم وخواتیم اعمالکم : او کما قالؐ

الوداعی تقریب کی حساسیت :۔

صدر مجلس۔اساتذہ کرام، مہمانان گرامی، طلبۂ عزیز! آج کی یہ مجلس گزشتہ کئی سالوں کے مقابلہ میں انتہائی اہم، حساس، اور انتہائی تکلیف دہ ہے، کئی مرتبہ جذبات بھڑک اٹھے، آنکھیں چھلک پڑیں، گزشتہ سال ڈاکٹر صاحب لڑکھڑاتے قدم، لاغر جسم اور مرض کی شدت کے باوجود، انتہائی محبت کے ساتھ ہمارے درمیان موجود تھے، اور جب وہ خطاب کررہے تھے، تو ایسا لگ رہا تھا کہ اپنا دل نکال کر رکھ دیا ہو، اور ظاہر ہے جو صاحب فکر ہوتا ہے، جس کے اندر تڑپ ہوتی ہے، اعذار اس کے لئے مانع نہیں ہوتے، وہ جو مجلس میں آخر تک موجود رہے اور اس حالت میں بھی اپنے طلباء کے ساتھ کھانا کھایا، اور اس کے بعد رخصت ہوئے، دوسری اہم وجہ حساسیت کی یہ ہے کہ جو طلباء جارہے ہیں انمیں کئی طلباء ایسے بھی ہیں جن کی ابتدائی تعلیم سے عالیہ تک کی تعلیم یہاں ہوئی ہے، وہ ہمارے درد اور غم میں بھی شریک رہے ہیں، اور خوشی میں بھی شریک رہے ہیں، انھوں نے اس ادارہ کے عروج وزوال کا مشاہدہ بھی کیا ہے اور اس کا ہر دور دیکھا ہے۔

بعض طلباء کے تأثرات سنے، بہت خوشی ہوئی دل میں ان کے لئے بڑی جگہ قدر ہوئی، اور ایسا لگا، ہم نے اور ہمارے اساتذہ نے کچھ کیا ہو، ان کے لکھنے بولنے کا انداز، ان کے جملوں کی ساخت، یہ ساری چیزیں وہ تھیں جو قابل فخر تھیں، خوشی کا باعث تھیں، مسرت کا باعث تھیں، بعض طلباء نے بعض انتظامی امور کی طرف توجہ دلائی، انتظامی کمیاں کہاں نہیں ہوتیں، کون سا گھر اس سے پاک ہے کون سی جگہ ہے کو انتظامی امور میں نقائص سے پاک ہو، اس کی طرف توجہ کرنا اور ان پر قابو پانا ضرورت بھی ہے اور فریضہ بھی، مگر ان امور میں الجھ کر اصل فرائض سے غفلت مہلک وخطرناک ہے۔

ہندوستان میں اہل مدارس اور علماء کا طرۂ امتیاز : اہل مدارس اور علما کا یہ معاملہ رہا ہے کہ تنگ دستی میں تنگ حالی میں بلکہ بدحالی میں رہ کر انہوں نے دین کی حفاظت کی اور جس دن سے اس ملک کے علماء کے گھر اور ان کی ذاتی زندگیوں میں وہی ساری ملمع سازیاں، مادیت کے وہی مناظر نظر آنے لگے جو اہل دنیا کا وطیرہ رہا ہے، اس دن سے جذبۂ خودی ناپید ہونے لگا، اس دن سے خودداری پر آنچ آنے لگی، افکار پھیکے پڑنے لگیں، وہ رنگ نظر نہیں آتا جو

آج سے سو برس پہلے نظر آتا تھا، آہیں ہیں، سسکیاں ہیں، لیکن ان میں وہ اثر نہیں جو آج سے پچاس سال پہلے کے لوگوں میں ہوا کرتا تھا۔

یہ زوال اور یہ کمی و نقص جو پیدا ہوا اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم اسباب کی طرف زیادہ دیکھنے لگے، مقصد کی طرف سے ہماری نظر اوجھل ہوگئی، بعض کمیاں ہوتی ہیں، بعض چیزیں ضرورت ہوتی ہیں، جن کا پورا ہونا ضروری ہے، اگر نہیں پوری ہوتیں تو اس کے کچھ اسباب ہوں گے، ان پر غور کرنا چاہئے۔

مؤمنین کی صفت:

مؤمنین کی صفت یہ ہے جو کچھ ان کے پاس ہو وہ اسپر نازاں وفرحاں رہیں، ان کا رواں رواں شکر الٰہی میں زیر بار رہے، لئن شکرتم لازیدنکم ولئن کفرتم ان عذابی لشدید ۔آپ شکر کے جذبہ سے سرشار ہوجایئے اللہ اپنی رحمت کا نزول فرمائے گا، ایک ایک چیز سدھرتی چلی جائے گی، اور ضرورتیں پوری ہوتی چلی جائیں گی، شرط یہ ہے کہ ہمارا رواں رواں شکر سے سرشار ہوجائے۔

میرے عزیزو! آپ سے قلبی تعلق رہا، وقتاً فوقتاً آپ سے مجلسیں رہیں، نشست و برخاست رہی، آپ میں سے بہت سے ایسے ہیں جن سے میں نے تنہائی میں بھی گفتگو کی، خدا تعالیٰ نے توفیق دی، اس کی توفیق کے مطابق جس قدر مجھ سے ہوسکا، میں نے ایک زندہ کتاب کو زندہ انداز میں آپ کے اندر منتقل کرنے کی کوشش کی، اگر کامیاب رہا تو شکر ادا کرتا ہوں اگر ناکام ہوا تو آپ سے درخواست کرتا ہو کہ آپ دعاؤں میں اللہ سے یہ دعاء کریں کہ میں اپنی بات صحیح طور پر پہنچا سکوں۔

پوری دنیا میں مسلمانوں کی حالت زار:

اس وقت ملک کی حالت اور پورے عالم اسلام کی حالت انتہائی حساس، انتہائی نازک ہے، بلکہ اگر یہ کہوں کی اس وقت پوری امت مسلمہ بارود کے ڈھیر پر کھڑی ہے، خدا کی قسم جن کو اللہ نے سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیت دی ہے، اور جن کی آنکھیں اس منظر کو دیکھتی ہیں، احوال کا تجزیہ کرتی ہیں، ان کی نیندیں حرام ہیں، ان کے لئے سونا اور جاگنا برابر ہوگیا ہے، بخدا اس وقت پوری امت مسلمہ بارود کے ڈھیر پر کھڑی ہوئی ہے، حالات ناگفتہ بہ ہیں، حال یہ ہے کہ ایک دیندار آدمی کی صبح و شام خطرے سے خالی نہیں ہے، ایک ماں جس وقت اپنے بچہ کو گھر سے رخصت کرتی ہے اس کے احساسات اور جذبات کچھ ایسے ہوتے ہیں کہ پتہ نہیں میرا لاڈلا واپس آئے گا یا نہیں آئے گا، آپ ایسی ہی ماؤں کے لاڈلے ہیں۔

الحمدللہ اللہ نے آپ کو وہ شباہت، شکل وصورت عطا کی ہے کہ لوگ آپ کو مسلمان سمجھتے ہیں، اور آج دور ایسا آگیا ہے کہ جو مسلمان سمجھا جاتا ہے اس کا سب سے بڑا جرم یہ ہوتا ہے کہ وہ ''مسلمان ہے''، اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہم نے اپنا کام بہت زمانہ سے چھوڑ دیا ہے، ہمارا جو کام تھا، اپنے آپ کو ثابت کرنا، اپنی افادیت کو ثابت کرنا، اپنے آپ کو تسلیم کرانا، ہم نے اپنی منفعت کو اپنی افادیت کو ثابت کرنا چھوڑ دیا، ہم گروہوں میں بٹ گئے، ہم مسلکوں میں بٹ گئے، ہم نظریات میں بٹ گئے، دینداری اور مادیت پسندی میں بٹ گئے، ہم نے اپنے لئے اتنے بت تراش لئے جتنے زمانہ جاہلیت میں کعبہ میں بھی نہ رہے ہوں گے، ہم تقسیم ہوگئے، اپنے الگ الگ نام رکھ لئے، الگ الگ پہچان بنالی، اپنا الگ الگ تعارف کرانے لگے، جب کہ اللہ نے ہمیں صرف ایک نام دیا تھا ''مسلمان'' میں آپ سے اس لئے یہ عرض کررہا ہوں کہ آپ ایک سال ندوہ کی تعلیم کے بعد میدان عمل میں جائیں گے، اس کے بعد آپ کو صرف اس پر عمل کرنا ہے۔ ھو سمّٰکم المسلمین ،اللہ نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے، مسلمان صرف اور صرف مسلمان

اور ایک مسلمان کی حیثیت سے ہی اپنا تعارف کرانا ہے، اور مسلمان کا تعارف یہ ہوتا ہے کہ وہ جدھر سے نکلے اس کے بارے میں کہا جائے کہ یہ مسلمان ہے، کیوں کہ تم جس پیغمبر کے امین ہو اس پیغمبر کا معاملہ یہ تھا اس کی سیرت یہ تھی کہ کفار اپنی تمام تر کینہ پروری، حسد اور بغض وعداوت کے ساتھ یہ کہنے پر مجبور تھے، کہ آپ صادق ہیں، آپؐ امین ہیں۔

جب آپ ﷺ نے کوہِ صفا پر پکارا اور کہا اگر تم سے کہوں ایک لشکر آرہا ہے جو عنقریب تم پر حملہ آور ہوگا تو کیا تم مجھ پر یقین کروگے، تو اس وقت سارے کفار نے بیک وقت کہا تھا، ہاں! آپؐ نے ہمارے درمیان ایک زندگی گزاری ہے، اس لئے جو کچھ کہو گے، ہم اس کی تصدیق کریں گے، کیوں کہ اب تک کی مدت میں ہم نے آپ کو صادق و امین پایا ہے، تم جدھر جاؤ تمہارے بارے میں کہا جائے کہ مسلمان جارہا ہے، صادق وامین جارہا ہے، اور تمہارے لئے ندوہ کا بھی یہی پیغام ہے، یہی ندوہ کا فکر ہے، تمہارے اوپر کسی نظریہ کا لیبل نہ لگے، کسی جماعت کا لیبل نہ لگے، تم کسی فرقہ میں نہ بٹنا، تم کسی چیز کو اس طرح قبول مت کرنا، کہ دوسرے دور بھاگنے لگیں، ایک طبقہ قریب آئے تو دوسرا طبقہ تم سے نفرت کرنے لگے، تمہیں اس ملک میں خاص طور پر برادران وطن تک اسلام کا پیغام پہنچانا ہے۔

آج جو صورتحال ہے اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ پورے ہندوستان کے طول و عرض پر ہزاروں تنظیمیں اور ہزاروں جماعتیں اور ہزاروں ادارے موجود ہونے کے بعد کوئی ایک شخص اس بات کا دعویٰ نہیں کرسکتا کہ ہم نے اسلام کے پیغام کو اپنے پڑوس کے غیر مسلم تک پہنچا دیا ہے، صورتحال یہ ہے کہ سوا سو سال سے ہماری یہ یونیورسٹی قائم ہے، جس کو تم نے دیکھا ہوگا، ہم نے بھی اس سے استفادہ کیا ہے، وہاں کے کسی غیر مسلم سے پوچھو خال خال کوئی واقعہ ہو تو وہ اپنی جگہ، لیکن اکثر غیر مسلموں سے پوچھو تو وہ مسلمانوں کے کردار کے بارے میں یہ بتائیں گے کہ یہ خیانت کرتے ہیں، جھوٹ بولتے ہیں، فریب دیتے ہیں، دھوکہ دیتے ہیں، دوسروں کا حق مارتے ہیں جب کہ ہونا یہ چاہئے تھا کہ غیر مسلموں تک اسلام کا صحیح پیغام پہنچتا، اس مسلم یونیورسٹی کے ذریعہ پہنچتا، وہ ان کے لئے آغوش اسلام میں آنے کا غیر محسوس طریقہ پر گہوارہ بنتی، محمدی کردار یہاں لوگ دیکھتے، جو صحابہ کرام کا کردار تھا، جو کردار اللہ ورسولؐ نے دیا تھا، وہ کردار یہاں نظر آتا امانت کا مفہوم بہت وسیع ہے اس وقت آپ کے سامنے ہم نے وہ جملہ دہرایا ہے جو حضور ﷺ نے اپنے صحابہ کو رخصت کرتے وقت فرمایا تھا۔ **استودع الله دينكم وأمانتكم وخواتيم اعمالكم.**

اور دوسری روایت میں امانت کے لفظ کو جمع کے صیغے کے ساتھ ذکر کیا ہے، أماناتکم کہا ہے، اب آپ جارہے ہیں، اب آپ کا دین اللہ کے سپرد ہے، اللہ سے دعاء ہے کہ خاتمہ پاکیزہ ہو، ظاہر ہے کہ ہم سب کا خاتمہ اللہ کے سپرد ہے، دینداری اور امانت داری ہمارا اور آپ کا معاملہ ہے، اس میں ترقی وتنزلی کا اختیار اللہ نے ہمیں اور آپ کو دیا ہے۔ ہمارے یہاں امانت کا مطلب صرف یہ سمجھا جاتا ہے کہ کسی کا مال کسی کے پاس ہو اور پورے طور پر وہ دے دیا جائے بس، اگر اس میں کوئی خیانت کرے تو خیانت ہوتی ہے، ۹۱٪ لوگوں کے نزدیک امانت کا یہی مفہوم ہے، حالانکہ حضور ﷺ نے جمع کا صیغہ استعمال فرمایا اور قرآن میں کئی جگہ جمع کا صیغہ استعمال ہوا ہے۔

يا ايها الذين آمنوا لا تخونوا الله والرسول وتخونوا اماناتكم ،ان الله يأمركم ان تؤدو الامانات الىٰ اهلها ، اس آیت کے شان نزول میں جو واقعہ مفسرین نے بیان کیا ہے، وہاں کسی مال کا تذکرہ نہیں تھا بلکہ

خانۂ کعبہ کی کنجی کا معاملہ تھا لیکن حکم یہ دیا گیا کہ لوگوں کی امانتیں ان کے سپرد کردو، اس سے معلوم ہوا ہمارا اور آپ کا جینا بھی امانت ہے، زندگی بھی امانت، کردار بھی امانت، ایک ایک عضو اور اس سے نکلنے والا عمل بھی امانت ہے، ہم میں سے جو بھی قومی، ملی اداروں سے مستفیض ہوتا ہے، ملت کا اس پر حق ہوتا ہے، اور یہ حق اس کی گردن میں امانت ہوتا ہے، معاشرہ کی اصلاح ہمارے ذمہ امانت ہے، اپنے دل کی اصلاح، اپنے گھر کو چلانا معاشی اعتبار سے، دینی اعتبار سے، تہذیبی اعتبار سے تر بیت کے اعتبار سے، ماں باپ کی خدمت کے اعتبار سے، یہ ساری امانتیں ہیں، امانت کا لفظ بڑا وسیع ہے، اور جتنا وسیع ہے اتنا ہی نازک ہے، آخری درجہ کی بات آپ ﷺ نے ارشاد فر مائی لا ایمان لمن لا امانة له ولا دين لمن لا عهد له جس کے پاس امانتداری نہیں، جو اپنے فرائض میں کوتاہی کرتا ہے، جو اپنی ذمہ داریوں میں کوتاہی کرتا ہے، جو اپنی ڈیوٹی میں کوتاہی کرتا ہے جس کے یہاں احساس ذمہ دار کی کمی ہے، امانت ان تمام چیزوں پر مشتمل ہے، جو ان چیزوں میں کوتاہی کرتا ہے، حضور ﷺ نے فرمایا اس کے یہاں ایمان کا گزر نہیں جس کا امانت داری سے تعلق نہیں، جو وعدہ خلاف ہو، جو پابندی عہد کا خوگر نہ ہو اس کو چاہئے کہ اس وعید کو کان کھول کر سنے، لا دين لمن لا عهد له یہ امانت داری اور دین داری دونوں ہمارے بس کی چیزیں ہیں، اسی کے مطابق ہمیں زندگی گزارنا چاہئے۔

میرے عزیزو! آئندہ زندگی میں تم عملی میدان میں جاؤ گے، اور ساری چیزوں کی تمہیں ضرورت پڑے گی، تم پر بھپتیاں کسی جائیں گی، ایک بھپتی جو بہت زیادہ کسی جاتی ہے اور اکثر سوچنے والے لوگ اس زاویہ نگاہ سے سوچتے ہیں، میں اکثر کہا کرتا ہوں کہ مدارس میں آنے والے، مدارس سے تعلق قائم کر نیوالے اور وہاں پڑھنے پڑھانے والے سے کہ ضرورت کا انکار ہرگز نہیں کیا جا سکتا، ضرورت اپنی جگہ پر ہے، لیکن اس سے تعلق جب قائم کیا جائے تو پورے تجزیہ کے ساتھ اور پورے اخلاص نیت کے ساتھ اور خم ٹھونک کر قائم کیا جائے، ورنہ اس تعلق کو جس دن نیت ڈگمگائے اسی دن توڑ دینا چاہئے، اور وہیں سلسلہ منقطع کر دینا چاہئے، کوئی ضرورت نہیں ہے کہ ہر شخص عالم بن جائے کوئی ضرورت نہیں ہے کہ ہر شخص مولویت کی ڈگری لے، حلال وحرام کی تمیز ہو جائے بس یہی کافی ہے، لیکن اگر تعلق قائم کیا جائے تو مضبوط بنیادوں پر کیا جائے۔ ؎

جسے ہو جان و دل عزیز اس گلی میں آئے کیوں؟

ہر وقت اس حیثیت سے سوچنا کہ ضرورت پوری نہیں ہوتی، پریشانی ہوتی ہے، کوئی کام نہیں ہوتا ہے، تو جذبہ مر جاتا ہے، انسان مردہ ہو جاتا ہے، وہ بے ضمیر ہو جاتا ہے، میں تم کو نصیحت کرتا ہوں، وصیت کرتا ہوں، اسلاف کی زندگیوں کی روشنی میں اور حضور ﷺ کی سیرت کی روشنی میں، قرآن کی ہدایت کی روشنی میں، کبھی تم ان بھپتیوں میں مت آنا، جب تم سے کہا جائے تم کیا کھاتے ہو؟ کیا پہنتے ہو؟ بہتر ہوتا کہ ان علماء کے اچھے گھر ہوتے، اچھا ہوتا کہ ان علماء کی اچھی مسندیں ہوتیں، بہتر ہوتا ان علماء کی اچھی گاڑیاں ہوتیں، تم ان سے کہنا کہ اسی رنگا رنگ کائنات میں حضور ﷺ مبعوث ہوئے تھے، انھوں نے فقر وفاقہ کی زندگی کو قبول کیا تھا، اختیار کیا تھا، امّا عائشہؓ فرماتی ہیں، حضور ﷺ نے فرمایا: میں اگر چاہوں تو میرے ساتھ پہاڑ سونا بن کر چلا کریں، حضور ﷺ خود فرماتے ہیں اللہ نے مجھ سے کہا اگر آپ چاہیں تو بطحاء مکہ کے تمام پہاڑ سونے کے بنا دوں، حضور ﷺ نے فرمایا: میری خواہش ایسی نہیں ہے، سو میں یہ چاہتا ہوں کہ میں ایک وقت شکم سیر ہو جاؤں اور ایک وقت بھوکا رہوں، جو لوگ اس طرح کی بھپتیاں کستے ہیں ان کی سوچ حفاظ

کے بارے میں، علماء کے بارے میں بے چارگی، بے بسی اور بے کسی کی ہوتی ہے، جو اس نظر سے دیکھتے ہیں، وہ قرآن کا یہ فرمان کان کھول کر سن لیں، کفار مکہ یہ کہا کرتے تھے کیا وجہ ہے محمدؐ اگر نبی ہیں اور ظاہر ہے کہ نبوت ایک بڑا کارنامہ ہے، انسانیت کا سب سے بڑا اعزاز ہے لہذا کفار مکہ اپنے نظریہ اور سوچنے کے انداز سے سوچا کرتے تھے، کہتے تھے، کہ محمد کے پاس بھی ایک باغ ہوتا، اللہ نے ان کے اس خیال کی تردید کرتے ہوئے فرمایا: تبارك الذى ان شاء جعل لك خيرا من ذٰلك جنّٰت تجرى من تحتها الانهار ويجعل لك قصوراً اللہ کی ذات بڑی بابرکت ہے، وہ جتنی برکتیں چاہے نازل فرما سکتا ہے، یہ تو ایک باغ کی بات کرتے ہیں وہ اگر چاہے تم کو ہزاروں باغ سے نواز سکتا ہے، لیکن یہ نعمتیں وہ تم کو جنت میں عطا فرمائے گا، وہ چاہے تو جنت کی ساری نعمتیں دنیا میں تمہیں دے دے، بلکہ اس سے بہتر دیدے، تمہارے لئے محل بنادے، باغات لگادے، سب کچھ دیدے، لیکن ظاہر ہے دنیا میں دینداروں کے لئے یہ چیزیں بہتر نہیں ہے۔

میرے عزیزو! ہندوستان اس سلسلہ میں بہت مبارک ہے اور ہندوستان کے علماء کرام قابل احترام اور قابل مبارک باد ہیں، انھوں نے سرکاری امدادوں کو جوتے کی ٹھوکر پر رکھا ہے، جوتے کی نوک پر رکھا ہے، جنہوں نے اصحاب ثروت کی امداد کو ہمیشہ اس شرط پر قبول کیا ہے اور یہ دیکھ کر قبول کیا ہے، کہ کہیں یہ اپنی مدد کی قیمت نہ مانگنے لگیں، کہیں کوئی قول قرار نہ کرنا پڑے، کہیں ایسا نہ ہو کہ اس مدد کے بدلہ کبھی دین کے کسی جز کا بھی سودا کرنا پڑے، آج آپ عالم عربی کی حالت دیکھ لیجئے، عالم اسلام میں (ہندوستان و پاکستان اور بنگلہ دیش کو چھوڑ کر کہ علماء بڑی حد تک یہاں آزاد ہیں) اس کے علاوہ پورے عرب کو دیکھ لیجئے کہ علماء وہاں غلام ہیں، ان کی زبانوں پر وہاں تالے ڈال دئے گئے ہیں، ان سے حق گوئی کا حق سلب کرلیا گیا ہے، قوت گویائی سے وہ محروم کردیئے گئے، یہی نہیں ان سے جنت کو جہنم اور جہنم کو جنت کہلوایا گیا، ان سے اہل حق کو منافق اور منافقین کو صاحب حق کہلوایا گیا، یہ ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے، اور کانوں سے سنا ہے یہ کوئی کتابی بات نہیں ہے، سنی سنائی بات نہیں ہے۔

قصور ہمارا ہے کہ ہم نے اپنے کو محدود کر لیا

: میرے عزیزو! ان جذبات کے ساتھ اور اس تیاری کے ساتھ، اخلاص کے ساتھ جو ہر شئے کا مغز ہوتا ہے، جو ہر شخص کی دولت ہوا کرتی ہے، اور بالخصوص اس دور میں اخلاص کے ساتھ تم میدان عمل میں جاؤ، دنیا تمہاری منتظر ہے، دنیا چاہتی ہے کہ قیادت مذہبی لوگوں کے ہاتھ میں آئے، دنیا چاہتی ہے کہ مذہب پسند لوگ، دین دار لوگ قیادت کریں، یہ قصور ہمارا ہے کہ ہم نے اپنے آپ کو محدود کرلیا ہے، قصور ہمارا ہے کہ ہم مجبور بن گئے، بلکہ ذلت وغلامی پر راضی ہوگئے، قصور ہمارا ہے کہ ہم نے کاسۂ گدائی کو اپنا مقدر بنالیا، آپ اخلاص کی دولت سے مالا مال ہوجایئے، اپنے آپ کو تیار کیجئے، اخلاص پیدا کیجئے، پھر آپ قیادت کیجئے، پوری دنیا کی قیادت کیجئے، تہذیب وتمدن کی قیادت کیجئے، سیاست کی قیادت کیجئے، یہ سب کام نبی پاک ﷺ کے دئے ہوئے کام ہیں، اس کو آپ کے فرائض منصبی کے طور پر قرآن میں ذکر کیا گیا ہے، ھو الذى بعث فى الاميين رسولا منهم يتلوا عليهم اٰيا ته ويزكيهم ويعلمهم الكتٰب والحكمة وان كانوا من قبل لفى ضلال مبين۔

کبھی خودداری کا سودا نہ کرنا

میرے عزیزو! زندگی کبھی رلاتی ہے کبھی ہنساتی ہے، زندگی کبھی غیرت کا سودا کرتی ہے، کبھی غیرت کو قربان کرنے پر مجبور

کرتی ہے، کبھی کبھی ایسے مطالبات کرتی ہے کہ انسان مجبور ہو جاتا ہے، وہ کشمکش میں مبتلا ہو جاتا ہے، کہ کہیں اپنی خودداری کا سودا کرنا نہ پڑ جائے، لیکن اکثر اوقات میں نے یہ محسوس کیا ہے کہ اگر آپکے اندر استغناء ہے، اگر آپ دل کے مالدار ہیں، تو کبھی آپ خودداری کا سودا نہیں کریں گے، کبھی دین کا سودا نہیں کریں گے، شریعت کے ادنیٰ سے جزء کا بھی سودا نہیں کریں گے، کبھی اپنی اخلاقی ذمہ داریوں سے دست بردار نہیں ہوں گے، شرط یہ ہے کہ دل مالدار ہو، ان الغنی غنی النفس، حضرت مولانا علی میاںؒ اکثر یہ واقعہ نقل کیا کرتے تھے، سعید حلبی کا، وہی حلب جو آج کل جل رہا ہے، جس کو کھنڈر بنا دیا گیا ہے، جسکے گھروں اور مسجدوں کو ویران کر دیا گیا ہے، شیخ سعید بیٹھے ہوئے تھے، جامع اموی میں درس دے رہے تھے، پاؤں میں تکلیف کے سبب پھیلائے ہوئے تھے، اس وقت وہاں ایک سفاک قسم کا گورنر تھا، کہ اچانک اس کے آنے کی اطلاع آپ کے شاگردوں کو ہوئی، شیخ کو بھی یہ اطلاع دی گئی، شیخ نے کہا کوئی بات نہیں آنے دو، شیخ اپنے پیر پھیلائے بیٹھے رہے، گورنر آیا اور حلقہ درس کے پاس کچھ دیر کھڑا رہا، پھر واپس چلا گیا، طلبہ پر خوف طاری ہوا کہ اب نہ جانے شیخ کو کیا سزا ملے، جانے کے بعد ایک تھیلی اشرفیوں کی بھیجی، شیخ نے کہا، سلم علی مولاك قل من یمد رجله لا یمد یده، جاؤ اپنے آقا کو سلام کہنا، اور کہنا جو پیر پھیلانے کی عادت ڈال لیتا ہے وہ ہاتھ نہیں پھیلاتا، جن کے اندر استغناء نہ ہو ان کو آپ در در کی ٹھوکریں کھاتے دیکھیں گے، یہودیوں کی چوکھٹ پر سجدہ کرتے دیکھیں گے، کفار کے آگے پیچھے اپنے دامن اور شریعت کا سودا کرتے دیکھیں گے، آپ دیکھیں گے کہ سرکاری امداد، مراتب وتقرب کے حصول کی خاطر، زندگی کی آسائشوں کے حصول کی خاطر حق بات نہیں کی جاتی، ایک دوسرے کی پگڑی اچھالی جاتی ہے، ملت کا سرمایہ تباہ کیا جاتا ہے، علم دین کے حصول کے بعد بھی اہل باطل کی چوکھٹوں پر جھکنا اور ان کے چکر لگانا محض استغناء کے فقدان کے سبب ہے، آپ ان سب چیزوں کا مشاہدہ کریں گے، آپ داڑھی اور ٹوپی والوں کو غیرت کا سودا کرتے ہوئے دیکھیں گے، اسی دہلی کا واقعہ ہے جہاں آپ سر راہ عزتیں اور غیرتیں نیلام کرتے دیکھیں گے، سڑک کی طرف دھوپ لینے کی نیت سے خواجہ نظام الدینؒ پاؤں پھیلائے بیٹھے تھے، لوگوں نے کہا حضور بادشاہ کی سواری گزرنے والی ہے آپ پاؤں سمیٹ لیتے تو اچھا تھا، یہ سن کر حضرت نظام الدین نے جملہ ارشاد فرمایا وہ نقش قلوب کرنے کے قابل ہے، فرمایا "جو ہاتھ سمیٹ لیتا ہے اسے پاؤں سمیٹنے کی ضرورت نہیں پڑتی" استغناء کی عادت ڈال لیجئے، دنیا آپ کی قدم بوسی کرے گی، اقبال جو محرمِ راز تھے، انھوں نے شرق وغرب کو دیکھا تھا انھوں نے فرمایا۔

خدا کے پاک بندوں کو امیری میں غریبی
زرہ کوئی محفوظ رکھتی ہے تو استغناء

میں آپ سے عرض کرتا ہوں کہ استغناء کو اپنی زرہ بنا لیجئے، اپنے دل کو اس سے مزین کر لیجئے، اور یہ طے کیجئے کہ اخلاص کے ساتھ، اختصاص کے ساتھ میدان عمل میں اترنا ہے، اور ہر طرح کی تنگ نظری سے بالا ہو جایئے، تعاون علی البر کی عادت ڈال لیجئے، اور جو بھی کس طرح سے ملت کا خیر خواہ ہو، اور اس کی خیر خواہی چاہتا ہو، دین کی سربلندی چاہتا ہو، خواہ، اس کا طریقہ کوئی بھی ہو، ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ اس کا مقصد کیا ہے، اگر اس کا مقصد اعلاء کلمۃ اللہ ہے، اور مقصد یہ ہے کہ خالق ومخلوق کا رشتہ استوار ہو جائے، ملت کے پھٹے لباس میں کوئی پیوند لگ جائے تو آپ کو اس کا معاون بننا ہے، اور آپ کو یہ نہیں دیکھنا کہ کس مسلک کا ہے، کس مکتب فکر کا ہے، کس جماعت کا ہے، ہرگز یہ نہیں دیکھنا ہے کیوں کہ قرآن کی تعلیم عام ہے، وتعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی

الاثم والعدوان۔

قرآن تمہارے لئے منارۂ نور ہے

میرے عزیزو! قرآن ہمیشہ ہمیش تمہارے مطالعہ میں رہنا چاہئے، علمی وعملی دونوں زندگیوں میں ہمیشہ تمہارے لئے منارۂ نور قرآن ہے، ہمیشہ تمہارے لئے نمونہ اسوہ محمدی اور سیرت محمدی ہے، اس کی جامعیت اور اس کے روشن پہلوؤں اور روشن مناروں کو اپنی نظروں میں رکھو ہر قدم پر یہ تمہاری رہنمائی کرے گی، اس کے بعد اسلاف کی زندگی کو دیکھو اور ائمہ مجتہدین کو دیکھو اور ان سے، روشنی حاصل کرتے چلے جاؤ۔

میں اکثر کہا کرتا ہوں کہ قرآن مجید کو ایک مردہ کتاب بنادیا گیا ہے، قرآن کو صرف برکت کی کتاب بنادیا گیا، تلاوت اس لئے کی جاتی ہے ہر حرف پر رہنمائی حاصل کی جائے، یہ بالکل بجا اور درست ہے، مگر کم از کم فارغین مدارس کو تو اسی طرح پڑھنا چاہئے قانون زندگی کی کتاب کی طرح بھی پڑھا جائے، قدم قدم پر رہنمائی حاصل کی جائے، کتاب ہدایت کے طور پر سمجھ سمجھ کر تلاوت کی جائے اس طرح پڑھا جائے جس طرح اقبال نے کہا ہے۔

تیرے ضمیر پر جب تک نہ ہو نزول کتاب
گرہ کشا ہے رازی نہ صاحب نہ کشاف

تفسیریں پڑھ لی جائیں، سمندر کھنگال لیے جائیں، تشریحات سینہ میں اتار لی جائیں لیکن قرآن اگر اس طرح پڑھا جائے کہ جب آیات بشارت پڑھی جائیں تو جنت کا شوق ہو اور جب آیات ترہیب پڑھی جائیں تو دل تڑپ جائے، رواں رواں کانپ جائے، جب تک قرآن اس طرح نہ پڑھا جائے اس وقت تک نہ فرد کی حالت بدل سکتی ہے نہ معاشرہ کی اور نہ امت کی حالت تبدیل ہوسکتی ہے، ابھی کل ایک کام کی بات نظر سے گزری کہ ایک صاحب قبرستان میں جاتے اور والدہ کی قبر کے سرہانے قرآن پڑھا کرتے تھے، بہت اچھی بات تھی، والدہ کا حق تھا ان کو ایصال ثواب کیا جائے، ایک دن اندھیرا ہوگیا وہ گھبرا کے اٹھے اور چلنے لگے، اچانک ایک بزرگ کو دیکھا تو ان کو دلاسہ ہوا، بزرگ نے پوچھا، کہاں؟ کیسے؟ کہا میں اپنی ماں کی قبر پر چلا آتا ہوں، بیٹھ کر قرآن پڑھتا ہوں، اندھیرے سے ذرا خوف ہوا، تو آپ کو دیکھ کر ڈھارس بندھی، ان بزرگ نے بڑا قیمتی جملہ فرمایا، فرمایا یہ کوئی مردہ کتاب نہیں جو بس مردوں کو اندھیرے میں سنائی جائے، یہ زندہ کتاب زندوں کو سمجھانے کے لئے ہے۔

میرے عزیزو! تمہاری ذمہ داری ہے اور تمہاری گردن میں امانت ہے کہ قرآن مجید کو زندہ کتاب کی حیثیت سے پورے معاشرہ میں عام کردو، ہر شخص تک قرآن کا پیغام پہونچاؤ، ہر مسلم اور ہر غیر مسلم کو یہ بتاؤ قرآن سب کے لئے ہے اور یہی سرچشمۂ ہدایت اور نسخۂ کیمیا ہے یہ ذمہ داری اب تمہارے ذمہ ہے کہ قرآن نے جو تفقہ فی الدین کی ذمہ داری عائد کی ہے اس کو تم اور دیگر فارغین مدارس ادا کریں اور یہ بھی تمہارا فرض ہے کہ قرآن کے عام تذکیری پہلو کو عام کرو اور سب تک پہونچاؤ جو ولقد یسرنا القرآن للذکر فھل من مدکر کی رو سے ہم سب پر عائد ہوتا ہے

ہم سب مل کر علم کی خدمت کے لئے، ملت کی خدمت کے لئے، اور امت کی خدمت کے لئے، نبی کی سنت کی خدمت کے لئے، اور آپ کے لائے ہوئے دین کی حفاظت کے لئے اپنے آپ کو وقف کرنے کی نیت کریں، اور للہ فی اللہ کوشش کریں۔ اللہ ہم سب کا حامی وناصر ہو

استودع اللہ دینکم وأمانتکم وخواتیم اعمالکم
وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

☆☆☆

تعارف و تبصرہ

ڈاکٹر محمد طارق ایوبی ندوی

نام کتاب: تہذیب وسیاست کی تعمیر میں اسلام کا کردار
مرتبین: ڈاکٹر صفدر سلطان اصلاحی/مولانا جرجیس کریمی
صفحات: ۸۳۸ قیمت: ۶۰۰
طباعت: عمدہ ودیدہ زیب
ناشر: ادارہ تحقیق وتصنیف اسلامی، علی گڑھ۔
ملنے کے پتے: ادارہ تحقیق وتصنیف اسلامی علی گڑھ/ مرکزی مکتبہ اسلامی

''تہذیب وسیاست کی تعمیر میں اسلام کا کردار'' نامی اس مجموعۂ مقالات میں اردو کے ۳۶ مقالے شامل ہیں، سبھی مقالات اپنی جگہ پر اہم ہیں، میں جہاں تک سمجھ سکا ہوں اور نظر ڈال سکا ہوں، اس مجموعہ مقالات میں اسلامی وغیر اسلامی تہذیبی وسیاسی افکار کا تقابلی مطالعہ بھی پیش کیا گیا ہے اور تاریخ بھی، اسلام کے مثبت کردار کو دلائل سے مزین بھی کیا گیا ہے، اور معترضین کے اعتراضات کی تردید اور علمی تنقید بھی کی گئی ہے، اس مجموعہ میں متعدد موضوعات پر سیر حاصل مواد فراہم ہے، معاندین اسلام کے کے سیاسی نظام اور تہذیبی رویوں پر اعتراضات کا اچھا علمی جائزہ بھی پیش کیا گیا ہے، میں سمجھتا ہوں کہ یہ اس ادارہ کا حق تھا کہ وہ تہذیب وسیاست کی تعمیر میں اسلام کے کردار پر اچھا لٹریچر فراہم کرے، واقعہ یہ ہے کہ ادارہ اس مجموعہ کے ذریعہ بڑی حد تک اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہوا ہے، یہ کام بھی ایسے دور میں ہوا جب امت میں تشکیکی مزاج کی تشکیل کے لئے ایک طبقہ متحرک ہے، وہ اسلام کی قائدانہ صلاحیت سے اعتماد اٹھا دینے پر آمادہ ہے، تاریخ کو مسخ کرنے کی مذموم کوشش میں مشغول ہے، اسلامی تہذیب کو سماج کے لئے غیر معقول اور ایک مصیبت کے طور پر پیش کرنے پر آمادہ ہے، مختصر یہ کہ چہار جانب سے اسلامی نظام حیات پر بڑے تیکھے حملے کیے جا رہے ہیں، اس صورت حال میں ادارے نے تہذیب وسیاست کی تعمیر میں اسلام کے واضح اور بے مثال اثرات کو نمایاں کر کے گویا فرض کفایہ ادا کیا ہے، میرا مشورہ ہے کہ اس مجموعہ کے منتخب مقالات کو انگریزی وہندی میں شائع کیا جائے۔

اس مجموعہ کے سرسری مطالعہ سے جو بات ابھر کر سامنے آتی ہے وہ یہ کہ درحقیقت دین اسلام ایک مکمل دین ہے اور قیامت تک کے لئے آخری دستور حیات ہے، اسی لیے اس میں وہ تمام خصوصیات موجود ہیں جو انسانی زندگی کی تکمیل وتعمیر اور امن و سکون فراہم کرنے کا ذریعہ بن سکیں، اسلام کا یہ امتیاز ہے کہ وہ جس چیز سے روکتا ہے اس کا بدل فراہم کرتا ہے یا اسی کی اصلاح کر کے اسے اسلامی رنگ دے دیتا ہے، تہذیب اسلامی کی یہی خصوصیت سب سے اہم ہے کہ اس کی وسعتیں زمان ومکان کی ظاہری حدود سے بالا ہو کر ملکوں اور قوموں کو اپنی آغوش عدل و مساوات میں سمیٹتی چلی گئیں، علم وادب، سیاست وحکومت، صنعت وحرفت غرض ہر میدان میں اسلامی رنگ نظر آنے لگا، اسلام نے اپنے اثرات سب پر ڈالے لیکن دوسروں کے تہذیبی رویوں کو من وعن قبول کرنے کے بجائے ان کا اسلامائیزیشن Islamization کر دیا، شاہ ولی اللہؒ نے الفوز الکبیر میں الاسباب والمصالح فی تشریع الاحکام کے تحت لکھا ہے کہ عربوں کی بہت سی عادات وخصوصیات کو اسلام نے باقی رکھا، البتہ اس کی اصلاح کر دی، علامہ شبلیؒ نے اسی اصول کی گویا اپنے سحر طراز ادبی پیرایہ بیان میں یوں تشریح کی ہے، جو اقتباس پیش کر رہا ہوں وہ شعر العجم کا سرِ آغاز ہے اور اس سے یہ سمجھنا بھی آسان ہے کہ اسلام نے کس طرح اور کس حد تک تہذیب وسیاست کی تعمیر میں اپنا کردار ادا کیا ہے، علامہ لکھتے ہیں:

''اسلام ایک ابر کرم تھا اور سطح خاک کے ایک ایک چپہ پر برسا لیکن فیض بقدر استعداد پہنچا، جس خاک میں جس قدر قابلیت تھی اسی قدر زیادہ فیض یاب ہوئی، عرب ایران، افغانستان، ہند، ترکستان، تاتار، مصر، شام، روم سب اس کے

حلقہ میں آئے لیکن قبول اثر میں سب یکساں نہ تھے فرق مراتب تھا اور فرق مراتب کی جہتیں بھی مختلف تھیں، جس قوم میں جس قسم کی قابلیت تھی اسلام نے اس کو اور چمکایا، ترک شجاع تھے شجاع تر ہو گئے، ایرانی ہمیشہ سے تہذیب معاشرت، اور علوم وفنون میں ممتاز تھے، اسلام نے ان کو ممتاز تر کر دیا، بوعلی سینا، غزالی، رازی، طوسی، امام بخاری و مسلم، سیبویہ وجوہری سب ایران ہی کی خاک سے اٹھے تھے''

اس اقتباس کی روشنی میں یہ بات پورے وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ اسلام نے عدل ومساوات پر مبنی صالح تہذیبی رویوں اور سیاسی نظام سے انسانی دنیا کو آشنا کیا ہے، حق ہے قوم مسلم کو وہ اپنے تہذیبی ورثہ اور سیاسی نظام پر فخر کرے، ضرورت ہے کہ اس کی ترویج وترقی کے ذرائع سے ازسرنو بحث کی جائے اور نئی نسل کا اس پر اعتماد بحال کیا جائے، یہی کام ان مقالات نے اپنی اپنی سطح پر انجام دینے کی کوشش کی ہے۔

تہذیب وسیاست کی تعمیر میں اسلام کے کردار کو سمجھانے کے لئے ضروری ہے کہ چھٹی صدی کی جہالت، مظالم، اس دور کے جاگیرداروں کی استحصالی ذہنیت، ایرانیوں کی قوم پرستی و شاہ پرستی، ان کی تخریبی تحریکات، جاہلی معاشرہ کی تنگ نظری، رومیوں کی خانہ جنگی، حکومتوں کے جابرانہ نظام اور تعصب آمیز رویوں کو پیش نظر رکھا جائے، امراء کی پرتعیش زندگی، اہل ثروت کی ذخیرہ اندوزی اور عامۃ الناس کی خستہ حالی پر نظر رکھی جائے، یہ وہ معاشرہ تھا جس میں ضمیر نام کی چیز یکسر مفقود تھی یا محض انا پرستی کی ظالمانہ روش تھی، بقول مولانا علی میاںؒ اس دور کی تہذیب میں ذوق خدا طلبی کا عالمگیر فقدان تھا، اچھی بات یہ ہے کہ بحیثیت مجموعہ مقالات کے اس ناحیہ سے بھی اس کتاب میں خاصے اشارے ہیں۔

اس مجموعہ سے یہ بات مترشح ہے کہ تہذیب وسیاست لازم ملزوم ہیں، اور یہی صحیح بھی ہے، کیوں کہ اسلام کو اقتدار کی ضرورت ہے اگر چہ وہ مقصود نہیں ہے، قرآن نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لئے تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنكر کی تعبیر اختیار کی ہے اور بلاغت کے رمز شناس جانتے ہیں کہ امر ونہی کی تعریف ہی یہی ہے کہ استعلاء کی بناء پر کسی کام کا حکم دیا جائے یا کسی کام سے روکا جائے، اور فی الحقیقت سیاسی بالادستی جب حاصل ہوتی ہے تو تہذیب وتمدن کو پنپنے کا موقع ملتا ہے، متعدد مفکرین بشمول احمد امین وغیرہ نے اس نکتہ پر خامہ فرسائی کی ہے کہ جو قوم غالب ہوتی ہے اسی کی تہذیب اور اسی کے نظام کا سکہ رائج الوقت ہوتا ہے، آج کے عالم اسلام کا مشاہدہ اس بیان کو صادق کرتا ہے کہ عالم اسلام میں کوئی ایک ملک نہیں جہاں اسلام کا مکمل نظام یا موحدانہ نظام پورے طور پر نافذ العمل ہو، یہی وجہ کہ اسلامی تہذیب کا وہ رنگ جو مطلوب ومقصود ہے، مفقود نظر آتا ہے، کیوں کہ عالمی نظام کا تسلط اور سیاسی مغلوبیت ہمارے نظام کے رائج ہونے سے مانع ہے۔

تہذیب وسیاست کا رشتہ بہت گہرا ہے، ہمارے اس خیال کو اس سے بھی تقویت ملتی ہے کہ تہذیب وتمدن اور مدنیت جیسی تعبیرات کے ذریعہ کسی بھی قوم کی علمی ترقی اور ترقی کے وسائل کی زیادتی جو حکومتی نظام سے مرتبط ہوتے ہیں ان کے نتیجہ میں ہونے والے تعمیری نشاط اور اس کے نتائج کو بیان کیا جاتا ہے، ان تعبیرات کے استعمال سے حکومت کی وسعت، ثروت وخوشحالی کی فروانی اور اس سے متعلق اسباب تہذیب سے بحث کی جاتی ہے، اس ضمن میں بڑا اہم مقالہ ڈاکٹر ضیاء الدین صاحب کا اس مجموعہ میں شامل ہے، جس سے تہذیب وسیاست کا رشتہ بھی معلوم ہوتا ہے اور تہذیب واقدار کے علمبردار داعی کے لئے سیاسی شعور کی ضرورت کا بھی اندازہ ہوتا ہے، البتہ اس مقالہ میں ان کے پیش کردہ اس خیال سے اتفاق ممکن نہیں، جو کہ انہوں نے مولانا مودودیؒ کی کتاب ''قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں'' پر مولانا علی میاںؒ کی تنقید کے حوالے سے ظاہر کیا ہے ''.....راقم سطور کو اس کی علمیت کے باوصف یہ اختلاف خواہ مخواہ کی کج بحثی اور حرف ومعنی کا متکلمانہ انداز معلوم ہوتا ہے.....'' میرے نقطۂ نظر سے یہ بات صحیح نہیں، اس بحث میں معتدل نقطۂ نظر ڈاکٹر

اسرار احمد نے پیش کیا ہے اور ناچیز اس کو واقعی غیر جانبدارانہ اور حقیقت سے قریب تر سمجھتا ہے، آگے مقالہ نگار کے اس خیال سے کلی اتفاق ہے کہ ''.....مولانا کی یہ تحریر ان کی دوسری تحریروں سے مغائر ہے.....''

یہ بات واضح رہنی چاہیے کہ اسلامی تہذیب وسیاست کی بنیاد بلکہ تمامتر شعبہائے زندگی کی اصل روح ذکر الٰہی، معرفت خالق اور فکر معاد ہے، یہی وہ تصور ہے جس کی بالادستی کا اسلام نے اعلان کیا ہے، اور اس سے انحراف کرنے والوں پر قرآن نے یوں تبصرہ کیا ہے فاعرض عن من تولی عن ذکرنا ولم یرد الا الحیوۃ الدنیا ذلك مبلغهم من العلم، اس مجموعہ میں شامل متعدد مقالات میں اس جانب اچھی توجہ کی گئی ہے اور یہ واضح کیا گیا ہے کہ اسلامی تہذیب و سیاست کی بنیاد توحید پر ہے، اس کا دین وعقیدے سے بڑا گہرا تعلق ہے، اس کے حاملین میں ذوق خدا طلبی سرفہرست رہتا ہے، جناب نصرت علی صاحب نے اپنے مقالہ میں اسلامی تہذیب کے عناصر کا ذکر کرتے ہوئے اس نکتہ کی اچھی تشریح کی ہے، میں سمجھتا ہوں کہ لیستخلفنهم فی الأرض کے بعد یعبدوننی ولا یشرکون بی شیئا میں اس کا بڑا واضح اشارہ کیا گیا ہے اور ومن کفر بعد ذلك کے ذریعہ وعید سنائی گئی ہے، سیاست وتہذیب سے دین کے اس گہرے رشتہ کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ اسلامی تہذیب کا اہم عنصر عقیدہ توحید ہے، اور یہی وہ عنصر ہے جس نے مختلف عادات و رجحانات کی حامل اقوام کو ایک لڑی میں پرو دیا۔

اسلام کے سیاسی نظام کا رشتہ دین سے کس قدر ہے اس کو واضح کرنے کے لئے جرجیس کریمی صاحب نے ''اسلام کا سیاسی نظام اور محدثین کا نقطہ نظر'' عنوان اختیار کیا ہے، اور پورے توازن ساتھ کے سیاسی نظام کو شریعت کے جزء کے طور پر پیش کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں، یہ مقالہ اپنی جگہ بڑی اہمیت کا حامل ہے۔

اس مجموعہ میں شامل متعدد مقالات یہ خیال پیش کرتے ہیں کہ اسلامی تہذیب وسیاست مادیت کی ہوس سے پاک ہے، اس میں خالص مادی اور استحصالی ذہن کی قطعی گنجائش نہیں اس کا روحانی پہلو اس کا طرہ امتیاز ہے، فکر معاد وہ محور ہے جس کے اردگرد اسلامی تہذیب وسیاست گھومتی ہے اس کی بنیاد دنیا طلبی کے بجائے خدا طلبی پر ہے، اس کی بنیاد وما الحیوۃ الدنیا الا لهو ولعب پر ہے، اس کے حاملین میں یہ احساس زندہ رہتا ہے أفحسبتم أنما خلقناکم عبثا وأنکم الینا لا ترجعون، اس کے برخلاف دیگر نظامہائے حیات کی بنیاد ان هی الا حیاتنا الدنیا نموت ونحیا وما نحن بمبعوثین پر ہے۔

اس حقیقت کی طرف بھی خاصے اشارے اس مجموعہ کا حصہ ہیں کہ تہذیب اسلامی پر تیشے چلانے کا کام غیروں کے ساتھ ان کے ان شاگردوں نے بھی خوب انجام دیا ہے جو مسلم نام رکھ کے جدید تعلیمی نظام کی ناقص تربیت اور بیمار ذہنیت کے علمبردار بن کر اسلام کے سیاسی نظام کو بھی ناکام بتاتے ہیں اور اس کی تہذیب کی پرشکوہ عمارت کو بھی ڈھانے کی کوشش کرتے ہیں، انہیں اس کی قائدانہ صلاحیت، اس کی تاثیر اور وقت کے دھارے کے ساتھ چلنے بلکہ اس کی قیادت کرنے کی صلاحیت میں شک ہے، انکی طوطا چشمی اور قساوت قلبی سے آج اسلام پسند کراہ رہے ہیں، وہ تمام اسلامی نظام کو جدیدیت وعقلیت کے معیار پر پرکھنا چاہتے ہیں، اس دور کے ان حاملین نفاق پر قرآن کا یہ تبصرہ کس قدر صادق ہے واذا دعوا الی الله ورسوله لیحکم بینهم اذا فریق منهم معرضون وان یکن لهم الحق یاتوا الیه مذعنین، جبکہ اسلامی تہذیب کی تمام تر بنیاد اس عقیدے پر ہے انما کان قول المومنین اذا دعوا الی الله ورسوله لیحکم بینهم ان یقولوا سمعنا وأطعنا وأولئك هم المفلحون ومن یطع الله ورسوله ویخش الله ویتقه فاولئك هم الفائزون، ہمارے درمیان کے یہ وہ لوگ ہیں جن کی پوری عمارت مستشرقین کے ملغوبوں پر کھڑی ہے، افسوس ہے کہ مستشرقین کے اعترافات اور ان کی مدح سرائیاں انہیں نظر نہ آئیں، ذرا ڈریپر کا یہ حقیقت پسندانہ بیان دیکھیے ''یورپین

ادب یہ چاہتا ہے کہ مسلمانوں کے متعلق ہمارے جو علمی فرائض ہیں ان کو ہم بھلا دیں لیکن اب وقت آ گیا ہے کہ ہم ان کو پہچانیں اور یہ ناانصافی جو مذہبی عناد اور قومی جہالت و وحشت پر مبنی ہے ہمیشہ قائم نہیں رہ سکتی''، لیکن ان حقائق کا ادراک کرنا اور اسلام کے تعمیری کردار اور اس کے محاسن کو سمجھ پانا یا انہیں تسلیم کرنا ان بیمار ذہنوں کے لیے ممکن نہیں، انہیں تو اگر آپ دلائل کے ساتھ بھی سمجھانے کی کوشش کریں گے تو وہ بے چارے ایک ہی بات دہرائیں گے ما نفقه كثيرا مما تقول وانا لنراك فينا ضعيفا، اس ذہنیت کو سمجھانے کے لیے اس مجموعہ میں ڈاکٹر رضی الاسلام صاحب کا مفید اور تجزیاتی مقالہ شامل ہے جس میں انہوں نے علی عبدالرزاق کی اس کتاب کا جائزہ پیش کیا ہے جس نے اس وقت کے معاشرے میں ہلچل واضطراب پیدا کر دیا تھا۔

ایک بات پر دو جگہ نظر پڑی اور ٹھہر گئی، ایک تو ڈاکٹر اشہد رفیق صاحب کے مقالے میں اور دوسرے افتتاحی کلمات میں، ڈاکٹر اشہد صاحب نے تحریر فرمایا ہے کہ''.....حسنی مبارک کی اسرائیل نوازی ایران کو کسی طرح گوارہ نہ تھی.....'' یہ بات انہوں نے ایران سے اخوانی حکومت کے سفارتی تعلقات کی استواری کے ضمن میں کہی ہے، آگے مزید لکھا ہے''اس کے نتیجہ میں ایران سے کافی قربت بڑھی''، پوری تاریخ اور بالخصوص گزشتہ تقریبا ڈیڑھ سو سال کے واقعات کا تسلسل اس پر شاہد ہے کہ عالم اسلام شیعہ یہود اور نصاریٰ کے پنجہ استبداد میں جکڑا ہوا ہے، تثلیث کے اس مرکب کی سازشیں عیاں اور فاش ہو جانے کے بعد بھی ایران سے کسی خیر کی امید چہ جائیکہ تعلقات کی استواری کی بات کی جائے تو عبث معلوم ہوتی ہے،''ایران سے مرسی کی قربت بڑھی'' یہ وہ پروپیگنڈہ ہے جو اس وقت کے سعودی ارکان حکومت نے کیا، یہ بات بہت واضح ہے کہ شام کے سلسلہ میں مرسی کا موقف مجاہدانہ تھا جبکہ سعودیہ و ایران کا یکساں منافقانہ، گو مفادات جدا تھے مقاصد الگ تھے، لیکن اخوان دشمنی میں دونوں برابر کے شریک تھے، ۲۰۱۴ء اکتوبر کے تیسرے ہفتہ میں خامنہ ای کے اس بیان کے بعد تعلقات کی استواری اور اسرائیل نوازی سے نفرت کی بات کہنا کس قدر بے محل معلوم ہوتا ہے، خامنہ ای کا بیان تھا''اگر بشار الاسد کو تخت اقتدار ہٹایا گیا تو اسرائیل کے وجود کی کوئی ضمانت نہیں دی جا سکتی''، اسی طرح ایران کی طرف سے جامع ازہر اور سیدہ زینب کے علاقہ کو ایرانی انتظام میں دیے جانے کے مطالبہ کا صاف اور دوٹوک انکار کر کے محمد المرسی کی قربت کیسے بڑھ سکتی ہے، ہاں یہ ضرور ہے کہ بہت سے لوگوں کی طرح محمد المرسی نے بھی اس ناسور کے اندمال کی وقتی کوشش کی لیکن وہ ناکام رہے، اسی طرح ڈاکٹر صفدر صاحب کی یہ بات بہت عجیب سی لگی وہ فرماتے ہیں''.....تیسری طرف ان اسلامی تحریکات کی اپنے معاشروں میں رسائی اور نفوذ میں برابر اضافہ ہو رہا ہے، وہ ہر محاذ پر پیش قدمی کر رہے ہیں.....'' اس ضمن میں انہوں نے جن ممالک کا نام لیا ہے اس میں سرفہرست ایران کا نام ہے مزید فرماتے ہیں کہ''ان کے بڑھتے قدم اور جاری پیش رفت سے اہل کفر و اصحاب باطل حیران و پریشان ہیں''، یہ بیان یا تو موجودہ منظر نامہ اور ایران کے مذموم کردار اور تخریبی کارروائیوں سے ناواقفیت پر محمول کیا جا سکتا ہے یا ابھی بھی ایران کے انقلاب کو شیعی انقلاب نہ تسلیم کرنے پر، ایران کی سنی دشمنی بلکہ اغیار کی اسلام دشمنی میں اس کی قائدانہ شرکت اب کسی پر مخفی نہیں رہی، جتنے لوگوں نے اتحاد کی کوششیں کیں انہیں بھی منہ کی کھانی پڑی، معاملہ اتنا واضح ہو چکا اور اس قدر لٹریچر وجود میں آ چکا کہ اب ایران کے انقلاب کو اسلامی قرار دینے کی کوئی گنجائش نہیں رہ جاتی، اسے شیعی انقلاب قرار دینے سے گریز و انحراف بھی کسی طرح درست نہیں۔

بات طویل ہوگئی یہ ممکن بھی نہیں کہ تمام مقالات پر اس محدود وقت میں گفتگو کی جائے بعض بڑے قیمتی مقالے اس مجموعے کا حصہ ہیں، بالخصوص وہ جن میں اسلامی نظام اور عہد حاضر کے تہذیبی یا سیاسی رویوں کا تقابلی مطالعہ پیش کیا گیا ہے، دونوں کے فرق کو دلائل سے واضح کیا گیا ہے، اس ضمن میں کمال اختر قاسمی صاحب، اختر امام صاحب، سید شکیل صاحب

کے مقالات اور بعض دیگر مقالے اہمیت کے حامل ہیں البتہ تہذیب وسیاست میں اسلام کے تعمیری کردار کا تذکرہ کرتے ہوئے اگر دعوتی فریضہ اور اس کے رول کا ذکر نہ ہو تو تشنگی معلوم ہوتی ہے، کیوں کہ دعوت تہذیب کے فروغ کی ضامن بھی ہے اور سیاست کی داغ بیل ڈالنے سے پہلے مطلوب بھی، بہرحال ہم سمجھتے ہیں کہ ہماری تہذیب وسیاست عقیدے سے مرتبط ہے اور عقیدہ یہ ہے کہ هو الذی ارسل رسوله بالهدی ودین الحق لیظهره علی الدین کله ولوکره المشرکون دنیا End of History اور Clash of Civilization کی خام خیالی میں مبتلا ہے تو رہا کرے، یہ عقیدہ پھر رنگ لائے گا اور موحدانہ نظام قائم ہوگا، انتظار اس کا ہے کہ ہم یعبدوننی ولا یشرکون بی شیئا نیز ان کنتم مومنین کی شرط کب پوری کرتے ہیں، اور اس دین پر کب عمل پیرا ہوتے ہیں جس کا ذکر آیت مذکور میں ہے، اس ''دین'' کی بہترین تشریح مولانا سید جلال الدین عمری حفظہ اللہ نے اپنے کلیدی خطاب میں کی ہے، ان کا خطبہ اس اہم موضوع پر متوازن ومدلل اور بھرپور ہے، بلکہ اس خطاب کے آخری پیراگراف کو اس مجموعہ کا خلاصہ اور اس سیمینار کا پیغام سمجھتا ہوں، مولانا لکھتے ہیں: ''اس وقت دنیا میں جو سیاسی بے چینی اور اضطراب ہے، طاقت ور قومیں کم زور قوموں کا جس طرح استحصال کر رہی ہیں، امنِ عالم کو جو خطرات لاحق ہیں، اخلاقی قدریں جس طرح پامال ہو رہی ہیں، ان کی وجہ سے یہ احساس بہرحال ابھر رہا ہے کہ ہمارے پولٹیکل سسٹم میں کوئی خرابی ہے، اسے بدلنا چاہیے۔ کوئی ایسا نظام تلاش کرنا چاہیے جس میں ان مسائل کا حل ہو، لیکن کوئی متبادل حل ان کے پاس نہیں ہے۔ یہ بتایا نہیں جا رہا ہے کہ جب تک خدا کا خوف نہ ہو، احساسِ ذمہ داری نہ ہو، کوئی بڑی تبدیلی رونما نہیں ہوسکتی۔ اسلام اس میدان میں ایک متبادل پیش کرتا ہے۔ یہی وہ بنیادی نکتہ ہے جس پر ہمیں اصرار کرنا چاہیے۔ کہیے کہ ہمارے پاس ایک آئیڈیل ہے، ہماری گفتگو سے یہ پہلو ابھرنا چاہیے کہ ہمارے پاس متبادل ہے۔ اس پر دنیا کو غور کرنا چاہیے۔''

تہذیب وسیاست کی تعمیر میں اسلام کا کیا کردار رہا، اس کے مقاصد کیا ہیں، دین سے اس کا کیا تعلق ہے، عالم انسانیت پر اس کے کیا احسانات ہیں، عصر حاضر کے سیاسی مسائل میں ہمارا کیا رویہ ہونا چاہیے، اسلام کی قائدانہ صلاحیت کو کس طرح فروغ دیا جائے، میں سمجھتا ہوں کہ اس مجموعہ میں ان سوالات کے جوابات پورے طور پر موجود ہیں، اس میں محمد کردعلی کی الاسلام والحضارة العربية کی جھلک بھی ہے، گستاؤلی بان کی کے بیانات حضارة العرب حضارة العرب بھی ہیں، معالم فی الطریق کے روشنیاں بھی ہیں اور ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین کے مقاصد کی ترجمانی بھی۔

میں اس گفتگو کو حضرت ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ کے ان تاریخ ساز جملوں پر ختم کرتا ہوں جو انہوں نے رستم کے دربار میں ارشاد فرمائے تھے، جن میں اسلامی تہذیب وسیاست کے مقاصد اور اس کی بنیاد نمایاں طور پر نظر آتی ہے۔ الله ابتعثنا لنخرج العباد من عبادة العباد الی عبادة الله وحده ومن جور الادیان الی عدل الاسلام ومن ضیق الدنیا الی سعتها۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم پورے طور پر ان مقاصد کا ادراک کریں اور یہ سمجھ کر اقدام کریں کہ ہماری سربلندی کا مدار ومن یطع الله یعنی فرائض کی پابندی ورسوله یعنی سنت نبوی کی پیروی کرتے ہوئے تہذیبی وسیاسی بنیادوں کو استوار کرنے ویخش الله یعنی گزشتہ زندگی میں خشیت الٰہی کے وجود کا محاسبہ کرنے اور ویتقه یعنی آئندہ زندگی میں خدا سے ڈرتے رہنے پر ہے۔

☆☆☆

آخری صفحہ

ترے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزول کتاب

ڈاکٹر علامہ اقبالؒ نے ایک جگہ لکھا ہے، اور متعدد مواقع پر اپنے محبین اور متعلقین کے سامنے فرمایا: جب میں سیالکوٹ میں پڑھتا تھا تو صبح اٹھ کر روزانہ قرآن پاک کی تلاوت کرتا تھا، والدِ محترم درود شریف و دیگر وظائف سے فرصت پا کر آتے اور مجھے دیکھ کر گزر جاتے ایک دن صبح کو میرے پاس سے گزرتے تو مسکرا کر فرمایا کہ کبھی فرصت ملی تو میں تم کو ایک بات بتاؤں گا۔

میں نے دو چار دفعہ بتانے کا تقاضہ کیا تو فرمایا کہ جب امتحان دے لوگے تب، جب امتحان دے چکا اور لاہور سے مکان آیا تو فرمایا، جب پاس ہوجاؤ گے تب، جب پاس ہوگیا اور پوچھا تو فرمایا کہ بتادوں گا، ایک دن صبح کو جب حسبِ دستور قرآن کی تلاوت کر رہا تھا تو وہ میرے پاس آگئے اور فرمایا ''بیٹا! کہنا یہ تھا کہ جب تم قرآن پڑھو تو یہ سمجھو کہ قرآن تم ہی پر اترا ہے یعنی اللہ تعالیٰ خود تم سے ہم کلام ہے''

اس واقعہ سے ہم مسلمانوں کو سبق لینے کی ضرورت ہے کہ آج ہمارا رویہ قرآن کے ساتھ کیسا ہے کیا ہم قرآن کو اس کی روح اور معانی اور مفہوم کے ساتھ پڑھتے ہیں کیا ہمارے دل اور ضمیر پر نزول کتاب کی کیفیت ہوتی ہے؟ کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ لوگ قرآن کو نقالی سے پڑھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اس میں خدا ہم سے ہم کلام نہیں، یا ایھا الناس اوریا ایھا اللذین آمنوا چودہ سو سال پہلے کا قصہ ہے جس سے ان کو سروکار نہیں اسی غفلت اور بے توجہی کا نتیجہ ہے کہ آج ہماری تلاوتیں تأثیر سے خالی ہیں۔

علامہ اقبالؒ کہتے ہیں کہ ان کا (والد صاحبؒ کا) یہ فقرہ میرے دل میں اتر گیا اور اس کی لذت دل میں اب تک محسوس کرتا ہوں _____ علامہ اقبالؒ نے اپنے لائق باپ کی فاضلانہ اور حکیمانہ بات کو اپنے شعر میں بڑی خوبصورتی سے موزوں کیا ہے۔

ترے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزولِ کتاب
گرہ گشا ہے نہ رازی نہ صاحب کشاف

☆☆☆

(م۔ق۔ن)

(بقیہ صفحہ نمبر ۶۰ کا.....)

،اس کے علاوہ بنگلہ دیش میں جب جماعت اسلامی کے نمائندوں کو پھانسی کی سزا سنائی گئی تو اردگان نے اس کی مخالفت کی جبکہ گولن نے اس کی کھل کر حمایت کی تھی۔

اردگان حکومت نے حالات پر قابو پالیا ہے، اور آگن اوزترک اوراس کے 26 دیگر ساتھیوں پر بغاوت کا الزام عائد کرکے کارروائی شروع کردی گئی ہے، جبکہ دوسری طرف امریکہ سے فتح اللہ گولن کی حوالگی کے مطالبہ بھی شروع ہیں جو کہ ایک عالمی موضوع بن چکا ہے۔

2004ء میں ترکی نے سزائے موت کا قانون منسوخ کردیا تھا، لیکن اس بغاوت کے بعد ترک صدر اردگان نے اپنے خطاب میں کہا ہے کہ اگر عوام مطالبہ کرتے ہیں تو وہ سزائے موت کے قانون کی بحالی کے لیے تیار ہیں۔ان کے اس بیان پر یورپی یونین کے حکام نے ترکی کو خبردار کرتے ہوئے کہا کہ اگر ترکی نے سزائے موت کو بحال کیا تو اس کے یورپی یونین میں شمولیت کا راستہ بند ہوسکتا ہے۔

اسرائیل اپنی عالمی چودھراہٹ کے قیام یا اعلان سے قبل پورے مشرق وسطی میں حالات کو اپنے حق میں سازگار کرنا چاہتا ہے، جس کے لیے خطہ کی دیگر قوتوں کا اس کے سامنے سرنگوں ہونا یا تباہ وبرباد ہونا ضروری ہے،لیکن ترکی کی وجہ سے حالات مزید ناسازگار ہوتے جارہے ہیں۔اس لیے امریکہ واسرائیل کی اولین کوشش ہے کہ ترکی میں حکومت کا چہرہ تبدیل ہو یا حکومت اتنی کمزور ہو کہ اس کی پالیسیوں کا نفاذ پوری قوت سے ممکن ہوسکے،اور ماضی میں جس طرح ترکی حکومت امریکہ نواز اور اسرائیلی مفاد کے تحفظ کا کام کرتی تھی موجودہ حکومت بھی اسی روش کو اختیار کرے۔لیکن اردگان کے جارحانہ تیوراور پھر اس بغاوت کی ناکامیابی نے بظاہر اسرائیل کو اپنی منزل سے کوسوں دور کردیا ہے۔

☆☆☆

جامعۃ البنات حیدرآباد

JAMIATUL BANATH HYDERABAD

شعبہ حفظ عالمیت،فضیلت

لڑکیوں کا اعلی ومعیاری دینی ۲۸ سالہ قدیم جامعہ

شہر کے اہم مقامات سے بسوں کی سہولت

دینی تعلیم کے علاوہ انگریزی وکمپوٹر بھی سکھایا جاتا ہے۔ جس کے لئے خاص کمپیوٹر لیب پوری ضرورتوں سے آراستہ ہے۔
عثمانیہ یونیورسٹی (اورینٹل لینگویجس) کے ذریعہ میٹرک،انٹر،بی اے کے امتحانات بھی دلوائے جاتے ہیں۔
ایک سالہ اسلامک ڈپلومہ (کالج کی طالبات کے لئے) شعبۂ تربیت۔ دبلوم العالی فی علوم الشرعیہ۔
(فارغات دینی مدارس کے لئے ایک نادر موقع)

والدین سے گزارش ہے کہ اپنی لڑکیوں کی بہترین تعلیم وتربیت کے لئے اس جامعہ میں داخلہ دلوائیں۔

نوٹ: (۱)اضلاع کے طالبات کے لئے جامعہ میں معیاری ہاسٹل کی سہولت ہے۔ (۲)شہر میں اس جامعہ کی اور کوئی شاخ نہیں ہے۔

JAMIATUL BANATH HYDERABAD
Ac/No. 05110011021119. (Andhra Bank)
Ac/No. 19380100018623 (Bank of Baroda)

صاحب خیر حضرات جو جامعہ کا تعاون کرنا چاہتے ہیں ہمارے بینک اکاونٹ نمبرس:

پتہ: جیون یار جنگ کالونی،روبرو مدینہ میڈیکل ہال،VIPاسکول کی گلی،سعید آباد،حیدرآباد۔
رابطہ نمبر: 7032101979,9848431304,(040)24553534
Website:www.jamiatulbanath.org